قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورس

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں

1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹ کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جا سکتا ہے۔

2) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I' II' III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

3) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کیلئے درج ذیل پتہ پر رجوع کریں!

ناظم شعبہ خط و کتابت کورس

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 03-5869501

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ : ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی،

معاون: حافظ عاکف سعید ایم اے (فلسفہ)

ادارہ تحریر: حافظ خالد محمود خضر، پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

جلد ۱۹ | ربیع الاول ۱۴۲۱ھ — جون ۲۰۰۰ء | شمارہ ۳

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۱۴- فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: ۱۱-داؤد منزل متصل شاہ بجری، شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون -/۸۰ روپے، فی شمارہ -/۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اوّل

قرآن حکیم کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیثِ نبویؐ میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں : ((فَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ))(رواہ الترمذی والدارمی والبیھقی فی الشعب) یعنی "اللہ تعالیٰ کے کلام کو تمام کلاموں پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی کہ خود ذاتِ باری تعالیٰ کو اپنی تمام مخلوق پر"۔ یہ حقیقت ہے کہ کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے' بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ متکلم کے تمام اوصاف کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ چنانچہ حکیم الامت علامہ اقبال قرآن حکیم کے بارے میں کہتے ہیں ؎

مثلِ حق پنہاں و ہم پیداست ایں
زندہ و پائندہ و گویاست ایں!

یعنی "یہ ذات حق سبحانہ وتعالیٰ (کا کلام اُسی) کے مانند پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی۔ اور جیتا جاگتا بولتا بھی ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والا بھی! ـــــ اس نسبت سے قرآن حکیم بلامبالغہ نوعِ انسانی کے لئے خالق کائنات کا سب سے بڑا انعام اور سب سے عظیم نعمت ہے۔

مرکزی انجمن خدام القرآن کے صدر مؤسس اور قافلہ رجوع الی القرآن کے حدی خواں محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی فضل واحسان ہے کہ اُس نے آپ کو اپنی کتاب کے ساتھ خصوصی نسبت و تعلق عطا فرمایا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے قرآن حکیم کی عظمت کے مختلف پہلوؤں پر بے شمار خطابات فرمائے ہیں' جن میں سے متعدد حکمت قرآن کے صفحات کی زینت بن چکے ہیں۔ حالیہ رمضان المبارک کی انیسویں شب دورہ ترجمہ قرآن کی ایک تقریب کے اختتام پر محترم ڈاکٹر صاحب نے "دنیا کی عظیم ترین نعمت ـــــ قرآن حکیم" کے عنوان سے ایک اثر انگیز خطاب فرمایا۔ اس خطاب کو کیسٹ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے کے بعد قارئین حکمت قرآن کے استفادہ کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔ ○○

دُنیا کی عظیم ترین نعمت ـــــ قرآن حکیم

صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب

(۲۹ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ بمقام سمن آباد لاہور)

خطبۂ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات :

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ ﴾ (البقرۃ : ۱۸۵)

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

معزز حاضرین و محترم خواتین! میں نے ابھی آیت کا جو ٹکڑا تلاوت کیا ہے اس کے حوالے سے سب سے پہلے تو ہمیں یہ نوٹ کرنا ہے کہ "شَهْرُ رَمَضَانَ" یعنی رمضان کا مہینہ قریب الاختتام ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کُل کا روزہ آخری ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک اور ہو جائے۔ اس ماہ مبارک کے دوران جن لوگوں نے بھی قرآن مجید سے اپنے تعلق کو تازہ کیا وہ بہت بڑی مبارک باد اور تہنیت کے مستحق ہیں۔ اس لئے کہ درحقیقت یہ ماہِ مبارک مسلمانوں کے قرآن مجید کے ساتھ تجدیدِ تعلق کا مہینہ ہے۔ اِس وقت کی گفتگو کا عنوان چونکہ معیّن ہے : "دُنیا کی عظیم ترین نعمت' قرآن حکیم" لہٰذا مجھے اسی کے حوالے سے گفتگو کرنا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾ "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا" اور قرآن کیا ہے؟ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ "ہدایت اور فرقان کی بینات"۔ اس ترکیب میں جو تین الفاظ آئے ہیں اس میں سب سے پہلے لفظ "ہدایت" پر توجہ دیجئے کہ "ہدایت" سے مراد کیا ہے؟ اس کا ہم عام ترجمہ تو رہنمائی اور راستہ بتانا کرتے ہیں' لیکن ذرا گہرائی میں سمجھئے کہ "ہدایت" کسے کہتے ہیں؟

ہدایت کے دو پہلو

ہدایت کے دو حصّے ہیں : ایک ہے انسان کے لئے نظری، فکری اور علمی ہدایت اور ایک ہے عملی، اخلاقی اور زندگی کے معمولات کے ضمن میں ہدایت۔ نظری، فکری اور علمی ہدایت کے اہم ترین حصے کو ہندی میں "سَت اَسَت وِو یگ" کہتے ہیں۔ یعنی انسان میں یہ تمیز پیدا ہو جائے کہ کیا چیز حق ہے اور کیا باطل ہے۔ ہندو جب اپنے مُردوں کی "ارتھی" لے کر جاتے تھے تو کہتے تھے کہ "رام نام سَت ہے" تو "سَت" کے معنی "حق" کے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے : "ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ" اسی طرح ہندی میں اس حق کے لئے لفظ "سَت" ہے۔ ہندی میں بعض الفاظ کے شروع میں اگر سابقے کے طور پر "الف" کا اضافہ کر دیں تو معنی الٹے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً "ٹل" سے "اٹل" اسی طرح "مر" سے "امر" اور "سَت" سے "اَسَت"۔ "اَسَت" وہ شے ہے جو نظر تو آ رہی ہے لیکن حقیقی نہیں ہے، جبکہ "سَت" وہ شے ہے جو حقیقت پر مبنی ہے۔ سب سے بڑی بات یہی ہے۔ انگلستان کے بہت بڑے فلسفی "بریڈلے" نے اپنی ایک معرکۃ الآراء کتاب "Appearance and Reality" میں اسی حقیقت کو بیان کیا ہے کہ "جو کچھ نظر آتا ہے وہ حقیقت نہیں ہے، بلکہ حقیقت اس کے پیچھے ہے"۔ جو کوئی محض آنکھوں سے نظر آنے والی چیزوں میں الجھ گیا وہ درحقیقت باطل (falsehood) کا شکار ہے، جب تک کہ اس ظاہر کے پردے کو چیر کر باطن کو نہ دیکھا جائے۔ اقبال نے کہا ہے ؎

گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دلِ وجود
گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں

عربی کا ایک شعر ہے ؎

کُلُّ مَا فِی الْکَوْنِ وَھْمٌ اَوْ خیالٌ
او عُکُوْسٌ فی المَرَایَا اَوْ ظِلَالٌ

"یہ کائنات میں جو کچھ ہے وہم ہے یا خیال ہے، یا جیسے شیشوں کے اندر عکس ہوتا ہے یا جیسے سایہ ہوتا ہے۔"

اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ مادی دُنیا اور مادی عالم بڑا ٹھوس نظر آتا ہے، یہ محسوس بھی

ہوتا ہے' اس میں ہمیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو فوراً محسوس ہو جاتی ہے اور اس کی مسرت بھی فوراً محسوس ہوتی ہے۔ ہم اس کی تکلیف سے بھی متاثر ہوتے ہیں اور اس کی راحت سے بھی' لیکن اصل بات یہ ہے کہ انسان سمجھ لے کہ یہ نمودِ بے بود ہے' یعنی اس کی نمود تو ہے' حقیقت کوئی نہیں۔ حقیقت صرف ذات باری تعالیٰ ہے ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ﴾ "الحق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے"۔

انسان کے اندر یہ تمیز پیدا ہو جانا اس کی بھی درحقیقت مختلف corollaries ہیں۔ دراصل ہمارا ایک جسم ہے جو نظر آتا ہے' وزن رکھتا ہے اور اس کے تقاضے ہیں جو محسوس ہوتے ہیں۔ بھوک لگتی ہے تو اس کا احساس ہوتا ہے۔ پھنسی نکلتی ہے تو درد ہوتا ہے۔ اس کی مسرت بھی اور اس کی تکلیف بھی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن ہمارا حقیقی وجود یہ نہیں ہے' حقیقی وجود وہ روحانی وجود ہے جو نظر نہیں آتا۔ وہ reality ہے' یہ appearance ہے۔ یعنی یہ ظاہر ہے اور وہ اصل حقیقت ہے۔ اسی طرح یہ دُنیا کی زندگی ہے' عظیم کائنات ہے' Galaxies ہیں' ایسے ایسے ستارے ہیں جو سائز میں ہمارے سورج سے لاکھوں گنا بڑے ہیں۔ پوری کائنات کی وسعت کو دیکھیں تو یہ ہمارا سورج بھی ایک ذرہ معلوم ہوتا ہے' اور ذرے کا دل چیریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر پورا سورج موجود ہے ع "لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں!" ان ذرات کا دل چیر کر ایٹمی توانائی نکالی گئی ہے ع "مہرِ درخشاں ذرۂ فانی' ذرۂ فانی مہرِ درخشاں!" لیکن یہ سب appearance ہے' حقیقت نہیں ہے۔

اگر یہ بات دل میں ٹھک جائے تو گویا انسان کی نظری' فکری اور علمی رہنمائی ہو گئی۔ اور اگر نگاہیں یہیں الجھی ہوئی ہیں اور دلچسپیاں انہی ظاہری چیزوں میں ہیں اور بھاگ دوڑ انہی کے لئے ہے' انہی کو زندگی سمجھا ہے' اپنے آپ کو اسی ظاہری جسم سے تعبیر کیا ہے تو آدمی چاہے فلسفی ہو' پی ایچ ڈی ہو' مفسر' محدث' فقیہہ اور مفتی ہو' وہ درحقیقت اندھیروں (ظلمات) ہی میں ہے۔ اسی لئے قرآن کہتا ہے : ﴿ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ یعنی اللہ اہل ایمان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ یہ جو ظواہر (appearances) ہیں ان کی بجائے حقائق پر توجہ اور نگاہیں مرکوز ہوں تو یہ نظری

ہدایت ہے جس کے لئے حضور ﷺ کی بڑی پیاری دعا ہے ((اَللّٰھُمَّ اَرِنِیْ حَقِیْقَۃَ الْاَشْیَاءِ کَمَاھِیَ)) "اے اللہ! مجھے تو چیزوں کی حقیقت دکھا جیسے کہ وہ فی الواقع ہیں"۔ ظاہر تو سب کو نظر آ رہا ہے۔ کُتّا بھی کار کو اگر اپنی طرف آتا دیکھ لیتا ہے تو راستہ بدل لیتا ہے۔ اگر ہم نے بھی یہ کر لیا تو کون سا بڑا تیر مار لیا۔ تو پہلی بات یہ سمجھ لیجئے کہ نظری ہدایت یہی ہے کہ اس سے ظاہر و باطن کا فرق معلوم ہو جائے' حق اور باطل (reality and falsehood) پوری طرح واضح ہو جائیں۔ یہی بات سورۂ کہف میں بھی بیان ہوئی ہے۔ جب حقیقت پر باطل کا ملمع ہو جائے تو یہی دجّالیت ہے۔ دجل کسے کہتے ہیں؟ حقیقت پر کسی اور شے کا پردہ ڈال دینا۔ اسی اعتبار سے یہ دجالیت ہے کہ ان تین حقیقتوں یعنی ذاتِ باری تعالیٰ' روحِ انسانی اور حیاتِ اُخروی پر ان تین ظواہر یعنی کائنات' جسمِ حیوانی اور حیاتِ دُنیوی کا پردہ پڑ جائے۔ اور یہی دجل اور فریب ہے۔ اور جیسے جیسے سائنس ترقی کر رہی ہے یہ دجل بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اس ظاہر کی دلکشی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ یہ appearance اور زیادہ دل کو موہ لینے والی چیز بنتی چلی جا رہی ہے۔ اس کی رونقیں بڑھتی جا رہی ہیں اور اس کی چمک دمک میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

یہ جھوٹ اور "Falsehood" ہے' حقیقت نہیں ہے۔

بہرحال پہلی بات نظری' فکری اور علمی ہدایت ہے۔ میں نے اس میں اس وقت دینی اصطلاحات یعنی ایمان باللہ' ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرۃ کے حوالے سے بات نہیں کی' بلکہ ایک نئے زاویئے سے وضاحت کی کوشش کی ہے۔ اگر انسان میں ست است وویگ' reality and falsehood حق اور باطل میں امتیاز' appearance and reality کے مابین فرق و امتیاز کا وصف قائم ہو گیا تو اسے نظری' فکری اور علمی ہدایت حاصل ہو گئی۔

دوسری ہدایت عملی ہے۔ اس معاملے میں بھی قرآن کا فلسفہ سمجھ لیجئے کہ عملی ہدایت کا ایک درجہ انفرادی سطح پر ہے کہ میں کیا کروں کیا نہ کروں؟ اللہ تعالیٰ نے یہ

انفرادی ہدایت ہر انسان کے دل میں ودیعت کر کے اسے دُنیا میں بھیجا ہے۔ اسے بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ خیر ہے اور یہ شر ہے' یہ نیکی ہے اور یہ بدی ہے' یہ بھلائی ہے اور یہ برائی ہے : ﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴾ نفسِ انسانی کو معلوم ہے کہ سچ بولنا اچھا ہے اور جھوٹ بولنا برا ہے' وعدہ کر کے پورا کرنا اچھا ہے اور وعدہ خلافی کرنا بُری بات ہے۔ بڑوں کی خدمت اور عزت کرنا اچھی بات ہے اور ان کے ساتھ بے عزتی کا معاملہ کرنا بُری بات ہے' والدین کے ادب اور خدمت پر مبنی رویّہ اچھا ہے اور اگر ان کا لحاظ نہ ہو تو یہ بُری بات ہے۔ اسے کون نہیں جانتا؟ یہ دوسری بات ہے کہ انسان کا مزاج ہی بگڑ گیا ہو تو اس وجہ سے وہ اپنے اندر کی اس ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھا پاتا۔ لیکن جس وقت وہ غلط کام کر رہا ہوتا ہے اسے اندر سے ضمیر متنبہ کرتا ہے کہ تم غلط کر رہے ہو۔ اسی کا نام "نفسِ لوّامہ" ہے کہ جس کی قسم کھائی گئی ﴿ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ○ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ○ ﴾ (نہیں! مَیں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔ اور نہیں! میں قسم کھاتا ہوں نفسِ ملامت گر کی۔)

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اس انفرادی معاملے پر اتنا زیادہ زور نہیں دیا گیا' بلکہ انہیں معروف و منکر کہا گیا ہے کہ جو چیزیں معروف اور جانی پہچانی ہیں یہی اچھائیاں اور بھلائیاں ہیں' پس ان کی پیروی کرو۔ منکر وہ ہیں جن سے انسان کا نفس خود ہی نفرت کرتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انسان اپنے کسی مفاد کی وجہ سے یا کسی وقتی جذبے کے تحت کسی منکر کا ارتکاب کر لیتا ہے' لیکن اس کی فطرت اس وقت بھی اسے ٹوک رہی ہوتی ہے کہ غلط کام کر رہے ہو۔ انسان کو اصل احتیاج اجتماعی زندگی میں ہدایت کی ہے۔ یہاں آ کر جو پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان کا حل عقلِ انسانی کے لئے محال مطلق اور ناممکن ہے۔ دُنیا میں آج تک تین اجتماعی مسائل کی نشاندہی ہوئی ہے :

(۱) عورت اور مرد کے درمیان حقوق و فرائض کے ضمن میں کیا توازن ہو؟ بیوی کے کیا حقوق ہوں اور شوہر کے کیا حقوق ہوں؟ یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ انسان اس معاملے میں افراط و تفریط کا شکار رہا ہے۔

(۲) اسی طریقے سے ایک مسئلہ اجتماعی نظامِ ریاست و حکومت کا ہے۔ ایک فرد اور عام

شہری کو کتنی آزادی ہونی چاہئے اور اس پر کتنا جبر ہونا چاہئے؟ اور اجتماعیت کو کتنا اختیار ہونا چاہئے اور Checks and balances کا کیا نظام ہونا چاہئے؟ پولٹیکل سائنس ساری کی ساری اسی مسئلے کے گرد گھومتی ہے۔ اسی طرح سرمایہ اور محنت' کارخانے دار اور مزدور کے حقوق و فرائض میں کیا توازن ہونا چاہئے؟ اس میں ذرا سے عدم توازن سے ظلم و استحصال کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ سرمایہ دار غریب کا خون چوستا ہے۔ ؎

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایاں کشت دہقاناں خراب!

"سرمایہ دار نے مزدور کے خون سے شراب کشید کی ہے جسے وہ شام کو کلب میں بیٹھ کر پیتا ہے۔ اور زمیندار اور لینڈ لارڈ کے ظلم و ستم سے کاشتکار کی کھیتی خراب ہے کہ اس کا بچہ فاقے سے ہے' حالانکہ محنت و مشقت اسی کاشتکار نے کی ہے"۔

یہاں آ کر انسان بالکل گھٹنے ٹیک کر اللہ سے ہدایت کا طالب بنتا ہے۔ سورۃ الفاتحہ کے قرآن مجید کے بالکل شروع میں ہونے کی حکمت بھی یہی ہے کہ انسان پہلے خود کہہ رہا ہے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ ﴾

"تمام شکر اس اللہ کے لئے ہے کہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ جزا و سزا کے دن کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔"

ان حقائق تک تو وہ خود پہنچ گیا ہے۔ لیکن اس کے بعد آگے کہتا ہے کہ:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ ﴾

"اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے۔"

اس اجتماعی معاملے کو کہیں قرآن "صراطِ مستقیم" کہتا ہے اور کہیں "صراط السّوی" اور کہیں "سواء السّبیل" کہتا ہے۔ مختلف الفاظ آئے ہیں۔ ان تمام پیچیدگیوں میں سے درمیانی' معتدل اور عدل پر مبنی راہ' جس میں افراط و تفریط نہ ہو' یہ اصل ہدایت ہے

جس کے لئے قرآن نازل ہوا۔

میں نے جو باتیں تجزیہ کر کے بتائی ہیں وہ یاد رہیں۔ ایک ہدایت نظری، فکری اور علمی ہے کہ آپ کے سامنے حقیقت اور باطل، appearance and reality، سَت اَسَت کے درمیان امتیاز واضح ہو جائے۔ اللہ حق ہے، آخرت حق ہے۔ آپ نے وہ دعا پڑھی ہوگی : اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَلِقَائُكَ حَقٌّ وَّالْجَنَّةُ حَقٌّ وَّ النَّارُ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ حَقٌّ وَّمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَّالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَّالْقُرْآنُ حَقٌّ۔ یہ تمام امور حق ہیں۔ باقی جو نظر آرہا ہے یہ سب باطل ہے۔ سورۃ الحشر میں متنبہ کیا گیا :

﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ﴾ (الحشر : ۱۹)

"ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی جانوں سے غافل کر دیا۔"

ہم اپنے مادی جسم کو محسوس کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم ہیں، حالانکہ حقیقت میں تو کوئی اور شے ہے کہ جو ہمارے وجود کی بنیاد بنتی ہے۔ اسی طرح فرمایا :

﴿ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (الروم : ۷)

"یہ دُنیا کی زندگی کے ظاہر (appearance) کو ہی جانتے ہیں۔"

حقیقت کو نہیں جانتے۔ دُنیا کی زندگی کی حقیقت معنوی کو جانتے تو اللہ کو پہچان لیتے اور آخرت کو فوراً پہچان لیتے۔ لیکن یہ صرف دُنیا کی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں۔ یہ نظری ہدایت ہے۔

جہاں تک عملی ہدایت کا تعلق ہے تو ہر انسان کے لئے اس کی جبلی ہدایت اس کے اندر موجود ہے، جیسے پیٹ کھانے کو مانگتا ہے، جسم کے دوسرے تقاضے ہیں، ان کو پورا کیا جائے۔ اس میں اسے ہدایت صرف اس بات کی دینا ضروری ہے کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ سڑک کے ذریعے جب آپ مری جاتے ہیں تو ہر موڑ پر نشان لگے ہوتے ہیں کہ یہاں سے آرام سے گزرنا، ورنہ کھائی میں گر جاؤ گے۔ سپیڈ کی حدود معین کر دی گئی ہیں۔ اس طرح سے زندگی کے مختلف معاملات میں حدود اللہ معیّن کر دی گئی ہیں کہ ان حدود سے تجاوز نہیں کرنا، باقی یہ کہ خیر و شر کے بارے میں تمہیں

بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ کیا خیر ہے اور کیا شر ہے' کیونکہ تمہیں خود ہی معلوم ہے۔ البتہ اجتماعی زندگی کے اندر تم محتاج محض ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت تمہیں ملے۔

اب اگلے لفظ پر آیئے ﴿ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ﴾ فرقان کا مطلب ہے حق و باطل میں فرق' ست است میں فرق appearance and reality میں فرق۔ "بینات" وہ ہیں جو از خود روشن ہوں۔ اور ایک جگہ پر سورہ عنکبوت میں فرمایا : ﴿ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ﴾ "یہ قرآن تو وہ آیات بینات ہیں کہ جو اہل علم کے سینوں میں (پہلے سے) موجود ہیں"۔ اسی لئے قرآن اپنے آپ کو تذکرہ و تبصرہ کہتا ہے۔ "تبصرہ" کہتے ہیں کسی کو آنکھ کھول کر دکھا دینا اور "تذکرہ" کے معنی ہیں یاد دلا دینا کہ تمہارے اندر یہ سب کچھ موجود ہے۔ تمہارے اندر حق ہے' تمہارے اندر ذاتِ باری تعالیٰ کی تجلی ہے۔ ؎

ہے ذوقِ تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے!

اس لئے قرآن مجید جو "بیّنات" کا لفظ لاتا ہے تو وہ اس اعتبار سے کہ یہ انسانی روح کے لئے جانی پہچانی شے ہے' اس میں کوئی نئی شے نہیں ہے۔ اسی لئے بڑے پیارے انداز میں مولانا روم نے کہا ؎

خشک تار و خشک مغز و خشک پوست
از کجا می آید ایں آوازِ دوست

قرآن مجید کو سنتے ہوئے وہ شخص جس کا دل قوی اور زندہ ہو اور روح بیدار ہو تو وہ یوں محسوس کرتا ہے جیسے یہ میرے دوست کی آواز آ رہی ہے' اور گویا یہ تو میرے اپنے دل کی آواز ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں : "قرآن کے پڑھنے والے بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جب وہ قرآن کو پڑھ رہے ہوتے ہیں تو یہ نہیں سمجھتے کہ ہم مصحف میں سے پڑھ رہے ہیں' بلکہ ایسے محسوس کرتے ہیں کہ جیسے قرآن ہمارے لوحِ قلب پر لکھا ہوا ہے اور ہم وہاں سے پڑھ رہے ہیں۔" فطرتِ انسانی اور قرآن حکیم میں اس قدر ہم آہنگی اسی لئے ہے۔ یہ قرآن ﴿ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ﴾ ہے اور یہ ایسی روشن آیات

ہیں جو علم والوں کے سینوں میں محفوظ ہیں۔

دُنیا کی سب سے بڑی نعمت

اب آیئے اس بات کی طرف کہ یہ قرآن سب سے بڑی نعمت کیوں ہے؟ دراصل ہمارا نعمتوں کا تصور دولت، شہرت، اقتدار، جائیداد، اولاد، صحت وغیرہ تک محدود ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی شے بھی نعمت نہیں ہے، نعمت صرف ایک ہے اور وہ ہدایت ہے، ہدایت ہوگی تو دولت بھی نعمت ہے، صحت بھی نعمت ہے، ہدایت کی بناء پر آپ دولت اور صحت سے نیکیاں کمائیں گے اور اگر ہدایت نہیں ہے تو اسی صحت کی بنیاد پر بدمعاشیاں کریں گے، تو ظاہر ہے کہ ایسی صحت نعمت نہیں بلکہ زحمت ہے۔ ہدایت ہے تو زندگی نعمت ہے، زندگی کا ایک ایک لمحہ نعمت ہے، ہدایت نہیں ہے تو زندگی لعنت ہے۔ ہدایت ہے تو اولاد نعمت ہے، اسے آپ دین کے کام میں لگائیں گے اور اسے صدقہ جاریہ بنائیں گے۔ ہدایت نہیں ہے تو اولاد لعنت ہے جو آپ کیلئے عذاب کا باعث بنے گی۔ آپ نے حرام کے ذریعے سے جو کچھ کما کر جمع کیا ہے اس کو اللّوں تللّوں میں اُڑائے گی اور ان کی بدمعاشیوں کا حساب آپ کے کھاتے میں جمع ہوتا رہے گا۔ قرآن مجید میں دو جگہ کہا گیا ہے: ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (التوبۃ: ۵۵ اور قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ التوبۃ: ۸۵) "ان کے مال اور ان کی اولاد (کی کثرت) تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے ان کو دُنیا کی زندگی میں عذاب دینا چاہتا ہے"۔ اگر ہدایت نہیں تو نہ دولت نعمت ہے، نہ اولاد نعمت ہے، نہ صحت نعمت ہے، بلکہ یہ سب ہماری تباہی کا سامان ہے، ہمارے جہنم میں جانے کیلئے تمہید ہے۔ ہاں پارس وہ شے ہے جس سے کوئی چیز چھو جائے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ اسی طرح ہدایت وہ شے ہے کہ اس کے ساتھ صحت بھی نعمت ہے، زندگی بھی نعمت ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کچھ کوتاہیاں ہو جائیں تو ان کی تلافی کا امکان ہے۔ انسان توبہ کے ذریعے اپنی غلطیوں کی تلافی کر لیتا ہے۔ ہدایت کے ساتھ اگر اقتدار نصیب ہو جائے تو خلق خدا کی بہتری کا سامان ہو جائے گا۔ اگر اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آ

جائے جن کے پاس ہدایت نہیں تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ خلق خدا انہیں کوسے گی اور یہ خلق خدا کو لعنت کریں گے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ اس دُنیا میں' اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر حقیقتاً نعمت صرف ایک ہے اور وہ ہدایت ہے جو کہ مطلقاً نعمت ہے' سرتاپا نعمت ہے اور جو ہر نعمت کو نعمت بنانے والی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر کوئی شے نعمت نہیں ہے۔

عظمتِ قرآن' بزبانِ قرآن

اب میں اس نعمتِ ہدایت کی عظمت کے بارے میں تھوڑی سی گفتگو کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی عجیب بات کی طرف میرے ذہن کو متوجّہ کیا۔ عجیب ترتیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے کلام کی جو عظمت بیان کی ہے اس کے ضمن میں سورۂ حشر کی بڑی عظیم آیت ہے اور دو آیتیں سورۂ یونس کی' چار سورۂ رحمٰن کی' چھ سورۂ عبس کی' اور آٹھ سورۂ واقعہ کی۔ ایک' دو' چار' چھ' آٹھ سیڑھیاں ہیں' لیکن پھر سورۂ واقعہ میں الٹ گیئر لگتا ہے۔ پھر ایک عظیم آیت سورۂ جمعہ کی ہے جو کہ سورۂ واقعہ میں بیان کردہ منفی کردار کو واضح کرتی ہے۔ میں اس وقت صرف اشارہ کروں گا' قرآن کی عظمت فی نفسہٖ کیا ہے؟ یہ ہم سمجھ ہی نہیں سکتے۔ سورۂ حشر میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

"اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتار دیتے تو تم دیکھتے کہ وہ دب جاتا اور پھٹ جاتا اللہ کے خوف سے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے غور و فکر کے لئے بیان کر دیتے ہیں"۔

قرآن کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ یہ مضمون اتنا لطیف ہے کہ تمہارے ذہن کی گرفت میں نہیں آسکتا۔ اس تمثیل کے ذریعے سے جو بھی کچھ سمجھ سکتے ہو' سمجھ لو۔ قرآن کی عظمت اپنی جگہ ہے۔ اقبال نے اس حقیقت کو ایک اور انداز میں کہا ہے ؎

فاش گویم آں چہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا ست ایں
زندہ و پائندہ گویا ست ایں!

"اس کتاب کے بارے میں جو بات میرے دل میں پوشیدہ ہے اسے اعلانیہ ہی کہہ گزروں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہی شے ہے۔ جیسے اللہ کی ذات الحق ہے ویسے ہی یہ الحق ہے اور جو صفات اللہ کی ہیں یعنی زندہ و پائندہ اور گویا (متکلم) وہی صفات اس قرآن کی بھی ہیں"۔

آگے چلئے' دو آیتیں سورۂ یونس کی آئیں : ﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ﴾ "اے لوگو! دیکھو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت بھی آگئی ہے اور تمہارے سینوں کے اندر جو روگ ہیں ان کی دوا بھی آ گئی ہے۔" دل اگر سخت ہو گئے ہیں تو ان کو نرم کرنے کے لئے نصیحت بھی قرآن ہے۔ اور پھر یہ کہ دل کے روگ کون سے ہیں؟ ان میں دُنیا کی محبت ہے۔ یہ material world' مایہ (ہندی میں اسے مایہ کہتے ہیں) حقیقت میں کچھ نہیں ہے۔ اس کی محبت میں انسان گرفتار ہو گیا تو یہی ضلالت ہے اور یہی گمراہی ہے۔ اس مایہ کی محبت کو دل سے نکالنا' اسے اس است کے چکر سے نکال دینا ہی درحقیقت اس کا علاج ہے۔ قرآن اس حوالے سے یہ کام کرتا ہے کہ لوگوں کے سینوں میں جو روگ ہیں' یعنی مال کی محبت' شہرت کی محبت' اقتدار' دولت و جائیداد کی محبت' ان محبتوں کو کھرچ کھرچ کر نکال دیتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی محبت کو دل میں اس طرح داخل کرتا ہے کہ اصل محبوب اللہ تعالیٰ ہو جائے۔

اور پھر قرآن ﴿ هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ہے' یعنی یہ اہل ایمان کے حق میں ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی۔ لیکن اصل بات دل کے ٹھکنے کی ہے۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ : اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہو اور پھر بھی وہ کسی دوسرے شخص کے بارے میں یہ سوچے کہ اس پر اللہ کا کرم مجھ سے زیادہ ہوا ہے کہ اس کو اللہ نے محل دیا ہے' اتنی لمبی کار دی ہے' یعنی اس پر اللہ کا کرم زیادہ ہوا ہے تو اس نے قرآن کی بہت ناقدری کی۔ اسے معلوم ہی نہیں کہ اس کے پاس کتنی بڑی دولت ہے۔ کسی شخص کے پاس کوہِ نور ہیرا ہو اور وہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا رہا ہو تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اسے پتا ہی نہیں کہ اس کے پاس کوہِ نور ہیرا ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ نے مجھے ہندی

کا ایک دوہا سنایا تھا۔ بھیکا ایک ہندی شاعر تھا' وہ کہتا ہے ۔

بھیکا بھوکا کوئی نہیں' سب کی گدڑی لال
گرہ کھول جانے نہیں اس بدیئے کنگال

یعنی کوئی انسان بھوکا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں اپنی معرفت گویا کوہ نور ہیرے کی صورت میں رکھی ہوئی ہے۔ تو پھر وہ بھوکا اور مفلس کیسے ہو گیا۔ صرف دل کی گرہ کھولنے کی ضرورت ہے۔ چونکہ انسان اپنے دل کی گرہ کو کھولتا نہیں ہے' اس لئے محسوس کرتا ہے کہ بھوکا ہو گیا ہے' مفلس اور کنگال ہو گیا ہے۔ ﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ ﴾ "کہہ دیجئے کہ یہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے۔ پس اس (نعمت) پر چاہئے کہ خوشیاں مناؤ۔ وہ بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں"۔ پس اس قرآن پر فخر کرو کہ اللہ نے ہمیں اتنی بڑی دولت دی ہے۔

سورۂ رحمٰن کی چار آیتیں ﴿ اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ ﴾ "رحمٰن' اس نے قرآن سکھایا' انسان کو تخلیق کیا' اسے بیان سکھایا۔" چار چیزیں جو سب سے چوٹی کی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان چار آیتوں میں جمع کر دی ہیں۔ اللہ کے ناموں میں سب سے پیارا نام "الرحمٰن" ہے۔ اہل عرب میں "اللہ" کا لفظ زیادہ معروف تھا' اور وہ "رحمٰن" کے لفظ سے بدکتے تھے' لیکن قرآن نے آکر جس نام کو زیادہ نمایاں کیا ہے وہ "رحمٰن" ہے' کہ سب سے زیادہ محتاج ہم اللہ کی رحمت ہی کے ہیں۔ جبکہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا : "جب تک رحمتِ خداوندی دستگیری نہیں فرمائے گی میں بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا!" ہمارا تمہارا کیا معاملہ ہے۔ ﴿ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ﴾ "اس نے قرآن سکھایا"۔ ویسے تو انسان کو سارے کا سارا علم اللہ تعالیٰ ہی نے دیا ہے۔ فزکس' الجبرا' جیومیٹری کس نے پڑھائی؟ کیمسٹری کس نے پڑھائی؟ لیکن سب سے اونچا علم قرآن کا ہے۔ ﴿ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴾ "اس نے انسان کو تخلیق کیا" ویسے تو ساری کائنات اللہ تعالیٰ ہی نے بنائی' فرشتے' جن' آسمان' زمین' سیارے اور ستارے بنائے' لیکن ان سب میں سب سے چوٹی کی مخلوق انسان ہے۔ ﴿ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴾ "اس نے اسے بیان سکھایا" اسے

بہت کچھ سکھایا ہے' سماعت' بصارت دی ہے اور بہت صلاحیتیں دے رکھی ہیں' لیکن چوٹی کی چیز "بیان" ہے ـــــ اس کا ایک نتیجہ نکلتا ہے' اور وہ یہ کہ اس چوٹی کے مصرف کو یعنی قوتِ بیانیہ کو چوٹی کی شے پر خرچ کرو۔ یعنی اس کو قرآن کے پڑھنے پڑھانے' سیکھنے سکھانے' سمجھنے سمجھانے میں صرف کرو۔ چنانچہ اسی قافیہ میں وہ حدیث آ جاتی ہے جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ)) (رواه البخاری)

"تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔"

سیکھنے سکھانے کے مختلف مراحل و مدارج ہیں۔ قرآن کا صرف ناظرہ پڑھنا' سیکھنا سکھانا بھی ٹھیک ہے۔ حفظ اور تجوید بھی ٹھیک ہے۔ اور قرآن کو سمجھنا ہے تو اس کے لئے عربی سیکھنی پڑے گی۔ ایک تو اس کا سرسری طور پر سمجھنا ہے اور دوسرے یہ کہ اس کی گہرائیوں میں اترنا ہے' اس کے فلسفے اور حکمت کو سمجھنا ہے' اسی سے اپنی معاشی زندگی کے لئے رہنمائی لینی ہے۔ اور اسی سے اپنی سیاسی و سماجی زندگی کے لئے رہنمائی لینی ہے تو یہ اس کے مختلف مدارج ہیں' لیکن بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن پڑھیں اور پڑھائیں' سیکھیں اور سکھائیں۔

اب چھ آیتیں سورۂ عبس کی ہیں :

﴿ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝ ﴾

"کوئی نہیں! یہ قرآن یاددہانی ہے' پس جو چاہے یاددہانی حاصل کرلے۔ یہ قرآن بڑے ہی باعزت' بلند اور پاکیزہ صحیفوں میں ہے اور اس کے کاتب ملائکہ مقربین ہیں جو کہ بہت ہی باعزت اور نہایت نیک ہیں"۔

یہ قرآن کی ایک اور اعتبار سے مدح ہے۔ قرآن تو صرف یاددہانی ہے۔ تمہاری روح کے اندر وہ سارا علم موجود ہے' تمہاری روح میں دبی ہوئی چنگاری موجود ہے۔ جیسے چنگاری کے اوپر راکھ آجاتی ہے اسی طرح تمہاری روح کے اندر موجود چنگاری پر راکھ آگئی ہے۔ قرآن صرف اس راکھ کو ہٹانے کے لئے آیا ہے' یہ دلوں کے زنگ کو دور کرنے کے لئے

آیا ہے۔ قرآن اندر کے سوئے ہوئے شعور کو بیدار کرنے کے لئے آیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا : قرآن بہت ہی باعزت صحیفوں میں ہے جو کہ بہت ہی بلند ہیں۔ ﴿ اِنَّهٗ لَفِیْ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ ﴾ یہ قرآن تو ہمارے پاس ام الکتاب میں ہے' تمہارے پاس تو قرآن کی مصدقہ نقلیں ہیں' یہ اصل قرآن نہیں ہے ﴿ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ○ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴾ اصل قرآن تو لوحِ محفوظ میں ہے۔

اب آیئے' ملاحظہ کیجئے آٹھ آیتیں (۷۵ تا ۸۲) سورۃ الواقعہ کی :

﴿ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ○ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ○ ﴾

"نہیں! مجھے قسم ہے ان مقامات کی جہاں ستارے گرتے ہیں' اور اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے جو ہم نے کھائی ہے۔"

تمہیں معلوم نہیں۔ آج شاید انسان کو پتا چلا ہے کہ اس کائنات کے اندر بہت بڑے بڑے black holes ہیں جو کہ "مَوَاقِعِ النُّجُوْمِ" ہیں۔ یہ تو ماہرینِ فلکیات (astronomists) سے پوچھیں کہ یہ black holes کیا ہیں اور کس بلا کا نام ہیں؟ کوئی بڑے سے بڑا سیارہ قریب سے گزر جائے تو وہ ان میں دھنس جائے گا' فنا اور ختم ہو جائے گا :

﴿ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ○ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ○ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴾

"یہ بڑا باعزت قرآن ہے' چھپی ہوئی کتاب میں ہے۔ (وہ کتاب اللہ کے پاس لوحِ محفوظ میں ہے) اسے تو چھو ہی نہیں سکتے مگر صرف وہ کہ جو انتہائی پاک ہوں (یعنی فرشتے ہیں کہ جو اسے چھوتے ہیں)"۔

اگرچہ علماء نے اس آیت سے فقہی حکم نکال لیا ہے کہ بغیر وضو قرآن کو ہاتھ نہ لگایا جائے' لیکن یہاں اصل مفہوم کچھ اور ہے' اور وہ یہ کہ قرآن کے باطن تک انسان کی رسائی اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا باطن بالکل پاک نہ ہو جائے' ورنہ وہ قرآن کے بھی ظاہر کے اندر الجھا رہے گا کہ یہ لفظ ہے' اس کا مادہ یہ ہے' یہ فعل ہے۔ اس بات کو مولانا روم اس طرح فرماتے ہیں ؎

ما ز قرآں مغزہا برداشتیم　　استخواں پیشِ سگاں انداختیم

یعنی قرآن سے اس کا اصل مغز تو ہم نے لے لیا ہے اور خالی ہڈی کتوں کے آگے ڈال دی ہے' وہ خالی ہڈیوں میں لڑتے رہتے ہیں۔ پس اگر اندر پاک ہو گیا ہو تو قرآن کے باطن تک رسائی ہو گی' ورنہ آپ تفسیر لکھ دیں گے' لیکن آپ کی رسائی قرآن کے باطن تک نہیں ہو گی۔ تفسیریں تو غیر مسلم بھی لکھ دیتے ہیں۔ لوگوں نے بڑی بڑی کتابیں لکھ دی ہیں' حدیث کے بڑے بڑے انڈکس غیر مسلموں نے لکھ دیئے ہیں' لیکن یہ کہ قرآن کے باطن تک ان کی رسائی نہیں ہو سکی۔

﴿ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ "پھر اس کا اتارا جانا ہے (لوح محفوظ سے' کتابِ مکنونٌ اُمّ الکتاب سے) اس ہستی کی طرف سے کہ جو تمام جہانوں کا رب ہے"۔

آگے اب منفی پہلو ہے۔ اب تک کی باتیں آپ کو اچھی لگ رہی تھیں' اب کڑوی بات ہے : ﴿ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝ ﴾ "کیا اس قرآن جیسی چیز سے تم بے اعتنائی برت رہے ہو"۔ بے توجہی کر رہے ہو' اسے پڑھتے نہیں' پڑھتے ہو تو سمجھتے نہیں' سمجھتے ہو تو عمل نہیں کرتے۔ اتنی عظیم شے! کائنات کی عظیم ترین نعمت سے یہ سلوک! انگریزی ہم نے اتنی پڑھ لی کہ انگریزوں کو پڑھا دیں' لیکن عربی نہیں سیکھ سکے کہ قرآن سمجھ سکیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ پی ایچ ڈی میں' فزکس' کیمسٹری میں' ڈاکٹری میں نہ جانے کتنے کتنے سال لگا کر لوگ ڈگریاں لیتے ہیں کہ آدھی عمر گزر چکی ہوتی ہے۔ سب کچھ پڑھ لیتے ہیں' لیکن اتنی عربی نہیں پڑھ سکتے کہ قرآن سمجھ سکیں۔ اب یہ سمجھ لو قرآن اس کو کیا کہتا ہے : ﴿ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝ ﴾ "تم نے اپنا نصیب یہ ٹھہرا لیا ہے کہ قرآن کو جھٹلا رہے ہو"۔ اگرچہ زبان سے نہیں کہتے کہ قرآن جھوٹا ہے۔ لیکن اگر تم قرآن کو سچا اور حق سمجھتے تو کیا اس کے ساتھ یہ سلوک کرتے!

یہ ہے وہ شے جس کو میں نے کہا ہے کہ reverse گیئر لگا ہے' جو میرے اور آپ کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ اس کے لئے میں پھر ایک آیت کا حوالہ دے رہا ہوں اور وہ ہے سورۂ جمعہ کی آیت نمبر ۵۔ اللہ تعالیٰ نے سابق اُمّتِ مسلمہ ـــــ جو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور ملعون ہیں (یعنی یہودی) ـــــ کی مثال دی ہے :

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ

اسْفَارًا ﴾ (الجمعۃ : ۵)

"مثال ان لوگوں کی جو حاملِ توراۃ بنائے گئے' پھرانہوں نے اس کو نہیں اٹھایا (اس کی ذمہ داری ادا نہیں کی) اس گدھے کی سی ہے جس پر (کتابوں کا) بوجھ لدھا ہوا ہو۔"

اگر ہم نے بھی وہی رویہ اختیار کیا تو گویا پھر یہ ہماری ہی مثال ہے۔

تحریک رجوع الی القرآن

اس ساری گفتگو کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ پوری قوت کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی سطح پر قرآن کی طرف رجوع کی ایک زبردست تحریک چلنی چاہئے جس میں لوگوں کو دعوت دی جائے کہ آؤ قرآن پڑھو پڑھاؤ' سیکھو سکھاؤ' سمجھو سمجھاؤ' اس کا علم حاصل کرو اور عام کرو۔ آج اللہ کا فضل و کرم ہے کہ ۲۰۰۰ء شروع ہو چکا ہے۔ میں ۱۹۶۵ء میں دوبارہ لاہور منتقل ہوا تھا' یعنی اب ۳۵ برس مکمل ہو چکے ہیں۔ ۶۷ء سے اس سمن آباد سے دعوت رجوع الی القرآن کا آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ "شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم!" بڑا اطمینان اور سکون ہے کہ زندگی اسی کام میں لگی ہے۔ اپنی بہتر صلاحیت' بیشتر وقت' بہتر توانائیاں صرف اس کام میں صرف کی ہیں کہ قرآن پڑھو پڑھاؤ' سیکھو سکھاؤ' سمجھو سمجھاؤ۔ اور اللہ کا بہت بڑا فضل ہے' جس کا کچھ نقشہ سورۂ فتح کے آخر میں کھینچا گیا ہے : ﴿ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ ﴾ جیسے ایک کسان نے کھیتی لگائی' ہل چلایا' بیج ڈالا' پانی دیا یا یہ کہ باران رحمت آگئی تھی' اب اس نے دیکھا کہ بیج پھوٹ رہے ہیں اور پتیاں نکل رہی ہیں' پھر اس نے اپنا پٹھہ اٹھایا ہے' پھر ذرا اُس کو گدرا کیا ہے' پھر وہ کھیتی اپنی نال پر کھڑی ہو گئی ہے۔ ﴿ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ﴾ اس کاشتکار کو وہ منظر بہت بھلا اور بہت اچھا لگتا ہے' وہ خوش ہوتا ہے اور اس کا دل باغ باغ ہوتا ہے کہ میری محنت بار آور ہو رہی ہے۔ یہی معاملہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا تھا۔ ۲۳ برس کی دن رات کی محنتِ شاقّہ میں ایسے ایسے مرحلے آئے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انتقال سے چند دن پہلے جس وقت آپ ﷺ مرضِ وفات کی کیفیت میں تھے اور جماعت میں شریک نہیں ہو رہے تھے اس حالت میں آپؐ کو بہت شدید تکلیف

رہی ہے۔ سر میں درد بہت شدید تھا۔ جس وقت ذرا سا افاقہ ہوا تو حجرے کے دروازے کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو مسجد میں نماز ہو رہی تھی' حضرت ابو بکرؓ امامت کرا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے چہرے پر یہ سوچ کر تبسم آیا کہ یہ میری کھیتی ہے جو میں نے لگائی ہے' آج یہ فصل میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ اور پھر اس کے بعد پردہ ڈال دیا۔

میں یہ بات آپ سے اس لئے کر رہا ہوں کہ میں نے ۳۵ برس پہلے جس کام کا آغاز کیا تھا آج میں اس کھیتی کو اپنی نگاہوں کے سامنے پروان چڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اِس وقت اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی سو سے کم تعداد ہو گی جو اس قرآنی فکر کو درس و تدریس کے ذریعے عام کر رہے ہیں' اور یہ نوجوان بھی اب ادھیڑ عمر میں پہنچ رہے ہیں۔ یہ نصف صدی کا قصہ ہے' دو چار برس کی بات نہیں۔ میرے دو بیٹے اب چالیس کی دہائی میں ہیں اور میرے ساتھی نوجوان جو میرے ساتھ میرے درس میں شریک ہوتے تھے وہ fifties کے آس پاس آ رہے ہیں۔ اتنے لوگ ہیں کہ جو اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ قرآن کا پڑھنا پڑھانا' سیکھنا سکھانا' سمجھنا سمجھانا ہو رہا ہے۔

میں آج سوچ رہا تھا کہ میرے پردادا حافظ نور اللہ صاحب کی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے جائیداد ضبط کر لی تھی۔ تو پھر وہاں سے چھوڑ کر ضلع مظفر نگر (یو پی) مشرقی پنجاب میں منتقل ہو گئے۔ دو نسلیں تو ہماری ایسی گزری ہیں کہ جن میں کوئی دینی کام نظر نہیں آتا' محض دُنیاوی معاملہ تھا۔ اور مسائلِ روزگار ہی اتنے گھمبیر تھے کہ "دُنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا" لیکن پھر اللہ کا شکر ہے کہ اس کے بعد تیسری نسل سے یہ کام شروع ہو گیا۔ آج میں سوچ رہا تھا کہ اللہ کے فضل و کرم سے میرے دو بیٹے حافظ ہیں۔ میرے تین چھوٹے بھائی ہیں اور تینوں کا ایک ایک بیٹا حافظ ہے۔ خاص طور پر برادرم اقتدار احمد مرحوم (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) کے پاس میں خود گیا تھا کہ تم اپنا ایک بچہ میرے حوالے کرو جو قرآن اکیڈمی میں ایک سالہ کورس کرے اور پھر اس کام میں لگے۔ انہوں نے اپنا نمبر ۲ بیٹا حمید احمد دیا تھا' لیکن وہ ایک حادثے میں فوت ہو گیا۔ اب میرے اندر اس بات کی ہمت نہیں تھی کہ میں کہتا کہ کوئی اور بچہ بھی دو' کیونکہ کاروبار کے تقاضے بھی ہوتے ہیں' لیکن بغیر اس کے کہ مجھے کوئی توقع ہوتی بحسنِ نیت فوری طور پر اقتدار احمد

مرحوم نے کہا کہ رشید ارشد کو اس کام میں لگالیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اسی نیت کا نتیجہ نکلا ہے کہ یہ ان کا بچہ ہے جس نے اس چھوٹی سی عمر میں یہاں دورۂ ترجمہ قرآن کیا ہے۔ یہ حافظ بھی ہے۔ میرے تین بیٹے دورۂ ترجمہ قرآن کر چکے ہیں۔ عاکف تو میرا خیال ہے چار پانچ مرتبہ کر چکے ہیں۔ ابھی شکاگو سے دورۂ ترجمہ کر کے آ رہے ہیں جو کہ امریکہ کا گڑھ ہے۔ میرے ایک اور شاگرد اس وقت نیویارک میں دورۂ ترجمہ کر رہے ہیں۔ اسی طرح پورے پاکستان کے اندر بہت بڑے پیمانے پر یہ کام ہو رہا ہے۔ یہ سب اللہ کا فضل ہے ﴿ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴾ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کا کوئی خاص انعام ہو تو اس کا تذکرہ بھی کیا کریں اور شکر کیا کریں۔ میرے دو بیٹے' دو پوتے اور ساڑھے پانچ نواسے حافظ ہیں۔ ایک نے چونکہ پندرہ پارے کئے ہیں' اس لئے ساڑھے پانچ کہا ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ میرے تینوں چھوٹے بھائیوں کا ایک ایک بیٹا حافظ ہے۔ بس اگر مجھے کچھ افسوس ہوتا ہے تو اپنے بڑے بھائی کے بارے میں۔ حالانکہ میرا اپنا قرآن کے ساتھ لگاؤ ان کے ساتھ ہی شروع ہوا۔

۱۹۴۷ء کی بات ہے' اگست یا ستمبر کا مہینہ تھا' ہم حصار میں محصور تھے۔ ہندو باہر سے آ کر پے بہ پے حملے کرتے رہتے تھے' ان سے دفاع کے لئے ہم نے مورچے لگا لئے تھے۔ بھائی جان نے اُس وقت BSc انجینئرنگ اور میں نے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ چنانچہ یہ فارغ وقت ہم ایک مسجد میں بیٹھ کر مولانا مودودیؒ کا رسالہ ترجمان القرآن جس میں سورۂ یوسف کی تفسیر چھپ رہی تھی' بڑے غور سے پڑھ رہے تھے۔ قرآن کا ذوق میرے اندر وہیں سے شروع ہوا۔ شوق پہلے بھی تھا' بلکہ یہ تو اس وقت سے تھا جب میں پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اُس وقت علامہ اقبال کا ایک شعر میرے ذہن میں چپک کر رہ گیا تھا ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

اس وقت میری عمر دس گیارہ سال ہو گی' لیکن قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کا ذوق اس وقت پیدا ہوا جب ہم دونوں مل کر joint study کرتے تھے۔ پھر قرآن کی عظمت منکشف

ہوئی۔ اس سے ایک دلچسپی اور لذت پیدا ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے اس درجہ مناسبت عطا کی کہ اللہ کے فضل و کرم سے پھر میری زندگی تو اسی کام میں لگ گئی۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کہا کرتے تھے کہ ہم نے عاشقِ قرآن تو بہت دیکھے ہیں لیکن فنافی القرآن ڈاکٹر اسرار کے سوا کوئی نہیں دیکھا' حالانکہ وہ مولانا احمد علیؒ کے بہت قریب رہے۔ جس زمانے میں حمایتِ اسلام ایک تبلیغی کالج ہوتا تھا اس وقت وہ اس کے پرنسپل تھے اور اس کے منتظم مولانا احمد علیؒ ہوتے تھے۔ ان کا ان سے بہت قریبی ربط تھا۔

بہرحال دعوت رجوع الی القرآن کے حوالے سے میں آپ کو جو خوشخبری دے رہا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ جگہ جہاں آپ اس وقت بیٹھے ہیں اب یہ بھی جامع القرآن کی شکل اختیار کرے گی۔ یعنی جیسے حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا تھا : ((اِسْتَدَارَ الزَّمَانُ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ)) قریش نے کیلنڈر میں اونچ نیچ کر دی تھی۔ انہوں نے اشہرِ حرم آگے پیچھے کر دیئے تھے' لیکن حجۃ الوداع کے موقع پر صحیح تقویم کے مطابق حج ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا : "آج سے نسیٔ کا قاعدہ منسوخ ہوا۔ آج وقت کی تقویم وہیں آ گئی ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا۔" تو یوں سمجھئے کہ ۱۹۶۶ء سے جو تحریک قرآنی میرے پھوپھی زاد بھائی شیخ نصیر احمد مرحوم کے مکان A-211 این سے اور پھر مسجد خضراء سمن آباد سے درسِ قرآن کی صورت میں شروع ہوئی تھی اور پھر دس برس تک دعوت رجوع الی القرآن کا جو ڈنکا بجا ہے وہ اسی ارضِ سمن آباد میں تھا۔ پورے شہر سے کھنچ کھنچ کر لوگ آیا کرتے تھے۔ اور اب یہ کہ منظور حسن صاحب جو اس جگہ کے مالک تھے ان کی خواہش تھی کہ یہ جگہ قرآن مجید کی دعوت کا مرکز بنے۔ میں اس بات کا اعلان کر رہا ہوں کہ قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن کی طرز پر یہاں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ایک چھوٹی سی جامع القرآن تعمیر ہو گی اور اسے ذرا چھوٹے پیمانے پر ایک مرکز کی حیثیت حاصل ہو گی۔ اب آپ اُس وقت کو غنیمت سمجھیں اور کمر کس لیں۔ عربی کلاسز شروع ہوں تو محنت و توجہ کے ساتھ عربی پڑھنے میں لگ جائیں۔ کوئی اور اجتماعات ہوں تو ان کے اندر پوری پابندی کے ساتھ شرکت کریں۔ تعمیر ہو تو اس میں دل کھول کر چندہ دیں اور پورے زور و شور کے ساتھ اس کی تعمیر میں حصہ لیں تاکہ یہ جلد از جلد مکمل ہو

سکے۔ یہاں ایک مسجد بھی بنے گی۔ ابھی تک مختلف مسجدیں مختلف مسلکوں کے نام سے پہچانی جاتی ہیں۔ کوئی دیوبندی مسلک کی مسجد ہے تو کوئی بریلوی مسلک کی۔ اسی طرح اہلحدیث اور شیعہ مسالک کی مساجد ہیں۔ لیکن یہ مسجد اسلام اور قرآن کی مسجد، یعنی جامع القرآن ہوگی اور اس کے ساتھ کسی فرقہ واریت کا معاملہ نہیں ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ مرکز یہاں بنے گا۔

عظیم ترین نعمت کے تقاضے

اب میں دوسری بات کی طرف آرہا ہوں۔ دیکھئے، قرآن مجید سب سے بڑی نعمت ہے، تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان نعمتوں کا حساب بھی ہوتا ہے۔ ﴿ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴾ "پھر قیامت کے دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں حساب کتاب بھی ہوگا"۔ یعنی تم نے ہماری نعمت کا صحیح استعمال بھی کیا کہ نہیں۔ نعمتِ قرآنی کا استعمال ایک تو یہ ہے کہ قرآن پڑھو پڑھاؤ اور سیکھو اور سکھاؤ، اس کے نور کو عام کرو، چہار دانگِ عالم کو اس کی روشنی اور ہدایت سے منور کردو۔ لیکن اس کا دوسرا معاملہ یہ ہے کہ اس کتاب کے نظام کو قائم کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگاؤ۔ یہ صرف پڑھنے کے لئے نہیں آئی ہے، یہ اس لئے آئی ہے کہ ہمارے سارے فیصلے اس کے مطابق ہوں ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ . . . . هُمُ الظّٰلِمُوْنَ . . . . هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ "جو اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں . . . . وہی تو ظالم ہیں (وہی تو مشرک ہیں) . . . . اور وہی تو فاسق ہیں۔" ہم کیا ہیں؟ انفرادی طور پر (اللہ کا شکر ہے) ہم مسلمان ہیں، اجتماعی طور پر ہم کافر ہیں۔ ہمارا نظام کافرانہ ہے، ہماری معیشت سود پر مبنی ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف بغاوت ہے۔ ہمارے خلاف اللہ اور اس کے رسول کا اعلانِ جنگ ہے۔ ہمارے معاشرے میں فحاشی، عریانی اور بے حیائی ہے۔ چنانچہ قرآن کے فیصلے کے مطابق ہمارا شمار کن لوگوں میں ہوتا ہے؟

قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ یہ ہے کہ سارے نبیوں نے کہا: ﴿ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ اور ﴿ اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ ﴾ "اے میری قوم کے لوگو!

اللہ کی بندگی کرو، جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں" اور "اللہ کی بندگی کرو اور میری اطاعت کرو"۔ اللہ کی بندگی اور پرستش کرو لیکن اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ ﴿ وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ ﴾ "اور انہیں اللہ تعالیٰ کی بندگی کا ہی حکم دیا گیا تھا اطاعت کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے یکسو ہو کر"۔ اب ہماری بندگی تو ادھوری ہے۔ اور ادھوری بھی کہاں ہے؟ ہماری پوری اجتماعی زندگی تو اسلام و قرآن کے خلاف ہے۔ انفرادی زندگی میں ٹھیک ہے میں شراب نہیں پیتا، سود نہیں کھاتا، نماز پڑھتا ہوں، روزہ رکھتا ہوں، لیکن اس سے آگے اجتماعیت کا پہلا قدم شروع ہوتے ہی کفر شروع ہو گیا۔ آج ہمارے کتنے گھر ہیں جن میں شرعی پردہ ہے۔ میں رواجی پردے کی بات نہیں کر رہا، شرعی پردے کی بات کر رہا ہوں۔ اگر گھر میں شرعی پردہ نہیں ہے تو اجتماعیت کا تو پہلا قدم ہی غلط ہو گیا۔ کتنے لوگ ہیں جو حلال کھا رہے ہیں؟ کتنے کاروباری ہیں جو اپنے آپ کو بینک کے اوور ڈرافٹس سے بچائے ہوئے ہیں اور کتنے لوگ ہیں جنہوں نے سودی قرضہ لے کر مکان نہیں بنائے ہیں؟ اس سارے کفر کے خلاف جب تک جدوجہد نہ ہو، سعی، محنت اور جہاد نہ ہو ہماری یہ جزوی ہدایت اللہ کے ہاں قبول نہیں۔ سورۃ المائدۃ ہی میں فرمایا : ﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ "(اے نبی) کہہ دیجئے : اے کتاب والو (یہودیو، نصرانیو) تمہاری کوئی حیثیت ہماری نگاہ میں نہیں ہے جب تک کہ تم توراۃ اور انجیل کو اور جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے قائم نہیں کرتے"۔ تمہارا منہ نہیں ہے کہ ہم سے بات کر سکو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہم سے فرماتے ہیں کہ کس منہ سے تم نماز پڑھ رہے ہو جب کہ تم نے اللہ کی کتاب کو قائم نہیں کیا۔ گویا ﴿ يٰٓاَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا "الْقُرْاٰنَ" وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ "اے قرآن والو! تمہاری کوئی حیثیت نہیں جب تک کہ تم قرآن کو اور جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے اسے قائم نہیں کرتے۔"

چنانچہ اب ہمارے لئے کرنے کا کام کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ میں اکیلا یہ کام نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سو پچاس یا ہزار دو ہزار آدمی مل کر بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن

جدّوجُہد اور کوشش تو کر سکتے ہیں۔ اپنی توانائیاں' صلاحیتیں' قوتیں' اپنے اوقات' اپنے وسائل اور اپنی اولاد کو تو اس کام کے لئے لگا سکتے ہیں۔ اگر ہم یہ بھی نہیں کرتے تو پھر یقیناً اس وعید کا شکار ہو جاتے ہیں کہ :

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ (البقرۃ : ۸۵)

"کیا تم ہماری کتاب کے کچھ احکام پر عمل کرتے ہو اور کچھ پر نہیں کرتے؟ تو جان لو کہ تم میں سے جو کوئی یہ حرکت کرے اس کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسے دُنیا میں ذلیل و خوار کر دیا جائے اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے' اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے"۔

اس سے بچنے کی ایک ہی شکل ہے۔ وہ یہ کہ غلبہ چونکہ باطل اور طاغوت کا ہے اور اللہ کا دین مغلوب ہے' میں اور آپ اس کے تحت رہنے پر مجبور ہیں' ہم سودی نظام کے اندر سانس لے رہے ہیں' میرے اور آپ کے سانس کے ساتھ سود اندر جا رہا ہے' تو پھر اس سب کے کفارے کے لئے ہمیں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے؟ جواب اس کا صرف یہ ہے کہ یہاں رہتے ہوئے ہمیں اپنی توانائیوں' قوتوں' صلاحیتوں' اوقات و وسائل و ذرائع کا کم سے کم حصّہ اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر اور زیادہ سے زیادہ حصّہ ایسی جدوجہد میں لگا دینا چاہئے جس کے ذریعے دین کے نظام کو قائم کیا جا سکے۔ اگر یہ کر لیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا' جو گناہ اندر جا رہا ہے وہ دھل جائے گا۔ اسے آپ اقامتِ دین یا نظامِ خلافت کہہ لیں' قرآن کا قائم کرنا کہہ لیں' دین کا قیام یا نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا قیام کہہ لیں۔ یہ نام مختلف ہو سکتے ہیں لیکن کام کی نوعیت ایک ہی ہے۔ "عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ"۔

پھر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر آپ باطل کے تحت زندگی گزار رہے ہیں تو اس صورت میں آپ پر اقامتِ دین کی جدّوجُہد فرض عین ہے۔ مَیں یہ بات سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ میری پوری زندگی قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے میں گزری ہے۔ یہ بات مَیں

اپنے مطالعہ قرآنی کی روشنی میں کہہ رہا ہوں کہ جو آدمی اس جدّوجُہد میں شریک نہیں ہے' اس کی نماز' نماز نہیں ہے' روزہ' روزہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب تک طاغوت کا کفر نہیں کرتا اس وقت تک اس کا اللہ پر ایمان معتبر ہی نہیں ہوتا۔ ﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ﴾ (البقرۃ : ۲۵۶) "پھر جو کوئی طاغوت کا کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایک مضبوط کنڈے کو تھام لیا۔" طاغوت کا کفر پہلے ہے اور اللہ پر ایمان بعد میں ہے۔ اگر انسان طاغوت کے خلاف جدّوجُہد نہیں کر رہا اور اس کے تحت پھلنے پھیلنے اور پھولنے کی کوشش کر رہا ہے' جائیداد بنا رہا ہے' کاروبار بڑھا رہا ہے' تو اس کا مطلب ہے طاغوت کے ساتھ اس کی ہم آہنگی ہے' وہ اسے ذہناً قبول کر چکا ہے اور دل سے اسے مان چکا ہے۔ لہٰذا اس کی نماز منہ پر دے ماری جائے گی۔

التزامِ جماعت کی ضرورت و اہمیت

میرے مطالعے کا حاصل یہی ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ قرآن کی دعوت کا یہ پہلو آپ اچھی طرح پلے باندھ کر اٹھیں۔ اگر یہ بات سمجھ میں آگئی ہے تو پھر چار چھوٹے چھوٹے نقشے نوٹ کر لیں۔

۱) اس کے لئے کسی جماعت میں شامل ہونا لازم ہے۔ کیونکہ یہ کام بغیر جماعت کے ممکن نہیں۔ یہ کام افراد نہیں کر سکتے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا : ((عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ)) "(مسلمانو!) تم پر جماعت سے وابستہ رہنا ضروری ہے"۔ ((يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ)) "اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے"۔ اور ایک حدیث میں حضور ﷺ نے صاف فرمادیا :

((اِنِّيْ اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ' اَللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ : بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))

"مسلمانو! میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دے رہا ہوں' جس کا مجھے اللہ نے حکم دیا ہے : جماعت کا التزام ہو اور جماعت بھی سمع و طاعت والی ہو' اور یہ جماعت پھر ہجرت اور جہاد کے مراحل سے گزر کر اللہ کے دین کو قائم کرے۔"

اس جماعت کا معیّن ہدف اقامتِ دین کی جِدّوجُہد ہونا چاہئے۔ کوئی چھوٹا کام مثلاً تعلیمی، تبلیغی اور اصلاحی نوعیت کا نہیں ہونا چاہئے۔ ویسے تو یہ کہ اگر کوئی سگریٹ نوشی کے خلاف بھی مہم چلائے تو وہ بھی اچھا کام ہے۔ تمباکو نوشی سے لوگوں کو بچانا' یہ بھی اچھا ہے' برا نہیں۔ آپ اپنے محلے کی صفائی کے لئے "انجمن حفظانِ صحت" بنالیں تو یہ بھی بہت اچھی بات ہے۔ لیکن اس جماعت کا Declared Goal اقامت دین اور غلبۂ دین کی جدوجہد ہونا چاہئے۔

۲) وہ جماعت انتہائی منظم (disciplined) ہونی چاہئے۔

۳) یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس جماعت کا طریقہ کار کیا ہے۔ ایک بات طے ہے کہ اگر وہ طریقہ کار رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کار سے ماخوذ اور مستنبط نہیں ہے تو آپ کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکتے ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید!

چنانچہ راستہ وہی اختیار کرنا ہو گا ((لَا یَصلُحُ آخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا بِمَا صَلُحَ بِہٖ اَوَّلُھَا)) "اس امت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو گی مگر صرف اسی طریقے پر جس پر کہ پہلے حصے کی اصلاح ہوئی ہے"۔

۴) آپ کے لئے جس طرح بھی ممکن ہو اُس جماعت کی قیادت کے قریب ہو کر دیکھ لیں کہ دل کیا گواہی دیتا ہے کہ کیا یہ لوگ مخلص ہیں یا بہروپئے ہیں؟ یہ دین کے نام پر دُنیا کی کوئی دکان تو نہیں چمکا رہے؟ اگر دل ان لوگوں کے خلوص کی گواہی دے دے اور یہ جماعت بقیہ شرطیں بھی پوری کر رہی ہو تو پھر اس جماعت میں شامل ہونا فرضِ عین ہے۔ اگر باطل کے غلبے کے تحت زندگی گزارنے والے شخص کے لئے دین کے غلبے کی جدوجہد فرضِ عین ہے تو پھر اس فرض عین کو پورا کرنے کے لئے جماعت کا التزام بھی فرضِ عین ہے۔ یہ بات سمجھ لیجئے کہ جس طرح نماز کے لئے وضو فرض ہے' اس لئے کہ وضو کے بغیر نماز نہیں' اسی طرح چونکہ جماعت کے بغیر دین کی اقامت ممکن نہیں لہٰذا اگر اقامت دین فرض ہے تو التزامِ جماعت بھی فرض ہے۔

جماعت سازی کی مسنون اساس

جماعت سازی کے کئی طریقے ہیں۔ ایک طریقہ ہمارے ہاں انگریزوں کے ساتھ آیا۔ مثلاً جب نئی تہذیب آئی تو میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانا بھی اس کے ساتھ آیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ہماری تہذیب تو نہیں ہے۔ حضور ﷺ کا طریقہ تو حدیث میں یوں مذکور ہوا ہے۔ ((مَا اَکَلَ النَّبِیُّ ﷺ عَلَی الْخَوَانِ قَطُّ)) کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی خوان پر رکھ کر کھانا نہیں کھایا۔ حضور ﷺ کے زمانے میں میز کرسی تو تھی نہیں۔ ان کے ہاں اونچے گھرانوں میں ایک رواج تھا کہ ان کے پاس چھ چھ انچ اونچی چوکیاں ہوتی تھیں۔ زمین پر بیٹھ کر کھا رہے ہوتے لیکن آگے چھ انچ اونچی چوکی رکھی ہوتی' جسے "خوان" کہتے تھے۔ اب بھی بعض گھرانوں میں یہ رواج موجود ہے۔ حضور ﷺ نے کبھی "خوان" پر بھی کھانا نہیں کھایا' لیکن یہ کہ اس کرسی میز کو کسی نے حرام نہیں کہا۔ یہ نئی شے تو ہے لیکن حرام نہیں ہے۔ کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس میں اس کی ممانعت آگئی ہو۔ یہ صحیح ہے کہ مسنون نہیں ہے' لیکن حرام بھی نہیں ہے۔

اسی طرح ہندوستان میں انگریزوں کے آنے کے بعد جماعتیں بنانے کا طریقہ یہ بنا کہ پہلے اس کے مقاصد (aims) اور اہداف (objects) لکھ لئے جائیں۔ اس کے Articles of Association اور قواعد و ضوابط کا تعین کر لیا جائے۔ گویا پورا دستور (Constitution) بنالیا جائے۔ اب جو شخص بھی اس دستور کو مان لے گا وہ اس جماعت کا رکن بن جائے گا۔ پھر یہ ارکان اس جماعت کے امیر یا صدر کا انتخاب دو یا چار سال کے لئے کریں گے۔ جماعت بنانے کے اس طریقے کو بھی مَیں مباح و جائز سمجھتا ہوں۔ اگرچہ یہ مسنون نہیں ہے' لیکن حرام بھی نہیں ہے۔ جیسے میز کرسی پر کھانا کھانا حرام یا مسنون نہیں ہے اسی طرح یہ طریقہ نہ مسنون ہے' نہ منصوص ہے اور نہ ماثور ہے' لیکن حرام بھی نہیں ہے۔ Constitutional Organization بھی ٹھیک ہے' اگر منظم اور سمع و طاعت والی ہو۔ لیکن جس جماعت کا قرآن' حدیث' سیرت' سنت' خلافت راشدہ اور ہماری پوری تاریخ میں ذکر ہے وہ بیعت کا نظام ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا ہو جس پر آپ کو اعتماد ہو کہ یہ آدمی ٹھیک ہے' دین کو جانتا ہے اور حقیقتاً یہ دین کی خدمت

کرنا چاہتا ہے تو آپ اس سے شخصی طور پر بیعت کرلیں کہ میں آپ کا ساتھی ہوں' جو حکم آپ مجھے دیں گے میں کروں گا۔ میں خود بھی مشورہ دوں گا' اپنی رائے دوں گا' لیکن یہ کہ فیصلہ گنتی سے نہیں ہوگا کہ یہ اکثریت ہے اور یہ اقلیت ہے' نو آدمیوں کی رائے لازماً غلط ہے اور دس کی لازماً صحیح ہے۔ حالانکہ یہ ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آٹھ آدمیوں کی رائے صحیح ہو اور بیس کی غلط ہو۔ نظامِ بیعت میں فیصلہ امیر کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ . . . . فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ﴾ (التوبة : ۱۱۱)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں.... پس اس بیع پر کہ جو تم نے اللہ سے کی ہے خوشیاں مناؤ"۔

یہ بیعت اللہ سے بھی ہے اور اللہ کے نبیؐ سے بھی۔ سورۃ الفتح کے اندر دو جگہ ذکر آ گیا :

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ﴾

"بے شک جن لوگوں نے آپؐ سے بیعت کی یقیناً انہوں نے اللہ سے بیعت کی۔ اللہ کے ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے"۔

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾

"بے شک اللہ مؤمنوں سے اس وقت راضی ہو گیا جب انہوں نے درخت کے نیچے آپؐ سے بیعت کی۔"

سورۃ الممتحنۃ میں خواتین کی بیعت کا ذکر آیا ہے۔ یہ نظام ہے کہ جو قرآن نے دیا' حدیث نے دیا اور سیرت میں بھی یہی نظام ہے۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ ہوئیں' بیعتِ رضوان بیعت علی الموت ہو رہی ہے۔ اسی بیعت پر خلافتِ راشدہ کا نظام چلا۔ حضرت ابوبکر' عمر' عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی بیعت ہوئی ہے۔ اور جس وقت خلافت ملوکیت میں بدلنے لگی اور حضرت حسینؓ میدان میں آئے تو انہوں نے بھی بیعت لی کہ آؤ میرے ساتھ' ہم اس ملوکیت کے راستے کو بند کریں۔ یہ دوسری بات ہے کہ بیعت کرنے والے گھبرا گئے اور ابن زیاد کے تشدد سے خوف زدہ ہو کر انہوں نے بیعت توڑ دی۔ اس

کا کوئی الزام حضرت حسینؓ پر تو نہیں۔ ہمارا یہ نظام تھا جس کو کہ ہم نے انگریزوں کے آنے کے بعد پس پشت ڈال دیا۔ حالانکہ ۱۹۱۳ء میں مولانا ابوالکلام آزاد نے جماعت "حزب اللہ" بنائی تو وہ بیعت کی بنیاد پر تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد بیس کی دہائی میں شیخ حسن البنّاء نے مصر میں جو جماعت بنائی وہ بھی بیعت کی بنیاد پر تھی۔ لیکن مولانا مودودیؒ نے جب جماعت اسلامی بنائی وہ بیعت کی بنیاد پر نہیں تھی۔ البتہ ۱۹۳۰ء میں جب قادیانی فتنے کا مقابلہ کرنے کیلئے علماء جمع ہوئے اور انہوں نے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیرِ شریعت بنایا تو ان سے بیعت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو بیعت لی اس کے الفاظ سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہ کتنی گھمبیر بیعت ہے۔ یہ روایت مسلم شریف اور بخاری شریف دونوں میں موجود ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

((بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ ' فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ ' وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ ' وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا ' وَعَلٰى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ ' وَعَلٰى اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَ مَاكُنَّا ' لَانَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ))

"ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی تھی کہ آپؐ کا ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے (اطاعت کریں گے) چاہے کتنا ہی مشکل ہو اور خواہ آسان ہو' چاہے ہماری طبیعتیں آمادہ ہوں' چاہے ہمیں اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے' چاہے آپ ہم پر دوسروں کو ترجیح دے دیں (ہم یہ نہیں کہیں گے کہ میں آپ کا پرانا ساتھی تھا آپ نے نووارد کو مجھ پر امیر بنا دیا) جنہیں آپؐ امیر بنائیں گے ہم ان سے جھگڑیں گے نہیں اور جہاں بھی ہوں گے حق بات ضرور کہیں گے (اپنی رائے پیش کردیں گے)۔ اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے"۔

اور اسی بیعت کے نظام پر ہم نے تنظیم اسلامی قائم کی ہے۔ ہماری بیعت میں صرف ایک لفظ کا اضافہ ہے۔ وہ اس طرح کہ حضور ﷺ کا ہر حکم واجب الاطاعت تھا۔ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی ہر حکم واجب الاطاعت نہیں ہے۔ ان سے بھی کتاب و

سنّت کی دلیل پوچھی جائے گی۔ کتاب وسنّت کے خلاف وہ کوئی حکم نہیں دے سکتے۔ چنانچہ ہم نے بیعت کے الفاظ یہ رکھے ہیں : "اِنِّیْ اُبَایِعُكَ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِی الْمَعْرُوْفِ "یعنی اس میں صرف دو لفظ بڑھا دیئے ہیں باقی وہی بات ہے۔

اس بیعت کے بارے میں اب میں آخری بات کہہ رہا ہوں۔ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَنْ مَّاتَ وَلَیْسَ فِیْ عُنُقِهٖ بَیْعَةٌ مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً))

"جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ (پھندا) نہیں تھا تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

یہ بیعت تو ایسے ہی ہے جیسے آپ نے اپنی بکری کے گلے میں رسّی ڈالی ہوئی ہے اور رسّی کا ایک سرا آپ کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ اب وہ بکری آپ کے پاس سے کہاں جاسکتی ہے؟ اسی طرح سے گویا رسّی کا ایک سرا بیعت کرنے والے کی گردن میں ہے اور دوسرا بیعت لینے والے کے ہاتھ میں ہے۔ صاف صاف بات کر رہا ہوں کہ گردن میں بیعت کے قلادے کے بغیر موت اسلام کی موت نہیں' بلکہ جاہلیت کی موت ہے۔

اب میں اس کا تجزیہ کرکے بتاتا ہوں۔ عملاً دو ہی صورتیں ممکن ہیں : یا تو اسلام کا نظام قائم ہے' نظام خلافت ہے' تو جو خلیفہ ہے اسکے ہاتھ پر بیعت ہوگی۔ اگر نہیں کریں گے تو جہنم میں جائیں گے۔ اور اگر اسلام کا نظام قائم نہیں ہے تو ظاہر ہے وہ نظام خود بخود تو نہیں آئے گا' اس کیلئے محنت کرنا پڑے گی' جماعت بنانا ہوگی' کوشش کرنا ہوگی' چنانچہ جماعت کے امیر سے بیعت کرنا ہوگی۔ ان دو کے علاوہ تیسری شکل ممکن نہیں۔ یا نظامِ خلافت ہے یا نہیں ہے۔ دو ہی شکلیں ہیں' اور کوئی شکل نہیں۔ اگر نظامِ خلافت ہے تو خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت' جیسے ابوبکر' عمر' عثمان' علی رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر بیعت تھی۔ اگر نظامِ خلافت نہیں ہے تو جو جماعت اس کو قائم کرنے کے لئے کھڑی ہو اس کے امیر کے ہاتھ پر بیعت ہوگی۔ پس ثابت ہوا کہ اگر کوئی مسلمان ہے اور وہ اسلام کی موت مرنا چاہتا ہے تو اسے بیعت کرنا ہوگی :

﴿ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ ﴾

"بیشک میری نماز' میری قربانی' میری زندگی میری موت اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔"

میں نے جو دین کا تقاضا سمجھا ہے وہ آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اب آپ میں سے ہر شخص کے دل و دماغ کا فیصلہ ہے۔ دل و دماغ گواہی دیں کہ بات ٹھیک ہے تو اس کو قبول کرنا آپ پر لازم ہے۔ اور اگر بات سمجھ میں نہیں آئی تو رد کر دیں۔ اگر بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ یہ کام تو صحیح ہے لیکن یہ تنظیم صحیح نہیں ہے تو کسی اور تنظیم کو دیکھیں۔ کسی نبی کی تنظیم تو آج ہے نہیں' نہ میں نبی ہوں اور نہ ہی کوئی اور نبی ہے۔ لہٰذا آپ کو اس کام کے لئے جو بھی بہتر نظر آئے اور آپ کے خیال میں جو بھی جماعت بہتر طریقے پر جدوجہد کر رہی ہے اس میں شریک ہو جایئے' لیکن کوئی شخص اپنے آپ کو اس سے فارغ نہ سمجھے' اس لئے کہ غلبۂ باطل کے تحت زندگی گزارنے والے شخص کے لئے اقامت دین اور غلبہ دین کی جدوجہد فرضِ عین ہے۔ اور یہ وہ فرض ہے کہ اگر اس کی طرف انسان توجہ نہیں دے رہا اور اس کے ضمن میں اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر رہا تو باقی فرائض بھی میرے نزدیک اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوں گے۔

اقول قولی هذا واستغفر اللّٰه لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

(مرتب : محمد علاؤالدین)

قارئین واحباب نوٹ فرمالیں!

پی ٹی وی پر نشر ہونے والا' امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد کا پروگرام حقیقت دین

اب ہفتہ میں دوبار دیکھا جاسکتا ہے :

i) جمعرات شام سوا چھ بجے پی ٹی وی ورلڈ پر

ii) اتوار صبح ساڑھے نو بجے پی ٹی وی پر

درس ۱۷

جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے موضوع پر
قرآن حکیم کی جامع ترین سورۃ
سُورۃ الصَّف

(۱)

مطالعہ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کا سلسلہ وار مطالعہ ہم کر رہے ہیں اس کے چوتھے حصے میں سورۃ الحج کے آخری رکوع کے بعد اب ہمیں بالترتیب سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ کا مطالعہ کرنا ہے۔ یہ دونوں سورتیں ایک حسین و جمیل جوڑے کی صورت میں "سلسلۂ مُسَبِّحات" کے بالکل وسط میں وارد ہوئی ہیں۔ اس سے قبل سورۃ التحریم کے درس کے ضمن میں بھی یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ قرآن مجید کی اکثر سورتیں جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ کسی ایک مضمون پر' جس کے دو رُخ یا دو پہلو ہوں' بالعموم دو علیحدہ سورتوں میں بحث ہوتی ہے۔ اور دونوں سورتیں مل کر اس ایک مضمون کی تکمیل کرتی ہیں۔

قرآن حکیم کی سورتیں اور آیات

اس مرحلے پر چونکہ ہم قرآن حکیم کی ایسی دو سورتوں کا مطالعہ کرنے والے ہیں جن کا باہم جوڑا ہونا بہت نمایاں ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر مصحف کی ترتیب سے متعلق اور سورتوں کی گروپ بندی (Grouping) کے بارے میں کچھ بنیادی باتیں عرض کر دی جائیں' تاکہ قرآن مجید کے ساتھ ایک مجموعی اور عمومی تعارف اور اس کے ساتھ ایک ذہنی مناسبت پیدا ہونے میں مدد مل سکے۔

اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کی اکائی "آیت" ہے اور قرآن حکیم

چھ ہزار سے زائد آیات پر مشتمل ہے۔ آیت کے معنی ہیں نشانی۔ اس لفظ سے دراصل اس حقیقت کی جانب رہنمائی ملتی ہے کہ قرآن حکیم کی ہر آیت علم و حکمت کا ایک موتی اور اللہ کے علمِ کامل اور اس کی حکمتِ بالغہ کی نشانی ہے۔ بعض آیات صرف حروفِ مقطعات پر مشتمل ہیں، بعض مرکّباتِ ناقصہ پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح بہت سی آیات ایسی ہیں جو مکمل جملوں پر مشتمل ہیں، جبکہ ایسی بھی بہت سی آیات ہیں جن میں متعدد جملے آ جاتے ہیں۔ یہ معاملہ کسی لغوی، نحوی یا اجتہادی اصول پر مبنی نہیں ہے، بلکہ درحقیقت یہ تمام امور توقیفی ہیں، یعنی نبی اکرم ﷺ کے بتانے ہی سے امت کو معلوم ہوئے ہیں۔

آیات جمع ہو کر سورتوں کی شکل اختیار کرتی ہیں۔ سورتوں کی کل تعداد ایک سو چودہ ہے جو متفق علیہ ہے۔ "سورۃ" کے لغوی معنی فصیل کے ہیں۔ اس لفظ کے استعمال سے گویا یہ نقشہ سامنے لے آیا گیا کہ قرآن حکیم کی ہر سورۃ علم و حکمت کا ایک شہر ہے، جس کے گرد ایک فصیل موجود ہے۔ آیات ہی کی طرح سورتیں چھوٹی بھی ہیں بڑی بھی ہیں۔ سب سے چھوٹی سورتیں تین ہیں جو تین تین آیات پر مشتمل ہیں۔ انہی میں سے ایک سورۃ العصر ہے جو ہمارے اس منتخب نصاب کا نقطۂ آغاز ہے۔ بقیہ دو سورتیں، سورۃ الکوثر اور سورۃ النصر ہیں۔ قرآن حکیم کی طویل ترین سورتیں وہ ہیں جو سورۃ الفاتحہ کے بعد مصحف کے بالکل آغاز میں آئی ہیں۔ یعنی سورۃ البقرۃ، سورۃ آل عمران، سورۃ النساء، سورۃ المائدۃ، سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف۔ سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے۔ بعض سورتیں وہ ہیں جو بیک وقت ایک مربوط اور مسلسل خطبے کی شکل میں نازل ہوئیں، لیکن بہت سی سورتوں میں تدوین و ترتیب کا معاملہ بھی ہوا ہے جو نبی اکرم ﷺ کے حکم کے تحت ہوا ہے کہ بعض آیات نازل ہوئیں اور حضور ﷺ نے فرمایا ان آیات کو فلاں سورۃ میں فلاں آیتوں کے بعد رکھ دو! بہرحال یہ ترتیب اللہ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی رہنمائی میں نبی اکرم ﷺ نے خود معین فرمائی۔

سات احزاب

سورتوں کی ایک تقسیم جو بہت معروف ہے وہ ان کے زمانۂ نزول کے حوالے سے

ہے۔ کچھ سورتیں مدنی ہیں' کچھ مکی ہیں۔ یعنی کچھ سورتیں وہ ہیں جو ہجرت سے قبل نازل ہوئیں اور کچھ سورتیں وہ ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔

اب ترتیب مصحف کی طرف آیئے اور سورتوں کی گروپنگ کو سمجھنے کی کوشش کیجئے! یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی ترتیب' جس سے ہم واقف ہیں اور جو دورِ نبویؐ سے چلی آ رہی ہے' ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے نہیں ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے' اس پر کچھ مزید عرض کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اس ترتیبِ مصحف میں سورتیں جس طرح ایک دوسرے کے بعد رکھی گئی ہیں اور ان میں جو گروپ بندی کی گئی ہے ان میں سے ایک گروپ بندی (Grouping) تو وہ ہے جس کا ذکر ہمیں دورِ نبویؐ اور دورِ صحابہؓ سے ملتا ہے' جس کی رُو سے قرآن حکیم کی سورتیں سات احزاب یا سات منزلوں میں منقسم ہیں۔ یہ درحقیقت بغرضِ تلاوت قرآن حکیم کو سات قریباً مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس لئے کہ آغاز میں تقریباً ہر مسلمان ہر ہفتے قرآن مجید کی تلاوت مکمل کیا کرتا تھا لہٰذا ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن حکیم کو سات تقریباً مساوی حصوں میں تقسیم کر دیا جائے' تاکہ ایک شخص روزانہ ایک حصہ' ایک حزب یا ایک منزل پڑھ کر ایک ہفتے میں قرآن مجید ختم کر لیا کرے۔ یہ تقسیم جیسا کہ عرض کیا گیا' دورِ صحابہؓ میں موجود تھی۔ اس تقسیم میں ایک ظاہری حسن بھی پیدا ہو گیا ہے۔ سورۃ الفاتحہ کو چھوڑ کر کہ وہ پورے قرآن مجید کے لئے ایک دیباچے اور مقدمے کی حیثیت رکھتی ہے' پہلا حزب یا پہلی منزل تین سورتوں پر مشتمل ہے' دوسرا پانچ سورتوں پر' تیسرا حزب سات سورتوں پر' چوتھا نو پر' پانچواں گیارہ پر' چھٹا تیرہ سورتوں پر اور اس کے بعد ساتواں "حزبِ مفصل" کہلاتا ہے۔ اس میں سورتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے' اس لئے کہ قرآن مجید کے آخر میں حجم کے اعتبار سے بہت چھوٹی چھوٹی سورتیں جمع ہیں۔

پارے اور رکوع

سات منزلیں یا سات احزاب تو دورِ نبویؐ اور دورِ صحابہؓ میں موجود تھے' البتہ دو تقسیمیں بعد میں کی گئی ہیں جن کا دورِ نبویؐ اور دورِ صحابہؓ میں ذکر نہیں ملتا۔ ایک قرآن

حکیم کی تیس پاروں میں تقسیم' جو درحقیقت اس دور کی تجویز کردہ ہے جب مسلمانوں کا جذبۂ ایمان کچھ مدہم پڑ گیا تھا اور تلاوتِ قران کے ضمن میں وہ سابقہ معمول' کہ ہر ہفتے میں قرآن مجید ختم کر لیا جائے' اب کچھ لوگوں پر گراں گزر رہا تھا۔ چنانچہ اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ قرآن مجید کو تیس حصوں میں تقسیم کر دیا جائے' تاکہ ہر مسلمان روزانہ ایک حصّہ پڑھ کر ایک مہینے میں تلاوتِ قرآن مکمل کر لیا کرے۔ لیکن یہ تقسیم فی الواقع بڑی ہی مصنوعی اور arbitrary ہے اور قطعی طور پر کسی بھی اصول پر مبنی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس میں یہ ظلم بھی کیا گیا ہے کہ سورتوں کی فصیلیں توڑ دی گئی ہیں اور نہایت بھونڈے طریقے سے توڑی گئی ہیں۔ مثلاً سورۃ الحجر کی ایک آیت تیرہویں پارے میں جبکہ بقیہ پوری سورۃ چودھویں پارے میں چلی گئی ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ کسی کے پاس قرآن حکیم کا کوئی ایک نسخہ تھا اور اس نے اس کے صفحات گن کر اُسے برابر برابر تیس حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب ممالک میں جو قرآن مجید طبع ہوتے ہیں ان میں بالعموم ان پاروں کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہوتا۔

ایک دوسری تقسیم جو کی گئی' اور وہ بھی بغرضِ سہولت تلاوت کی گئی تھی' وہ ہے سورتوں کی تقسیم رکوعوں میں۔ اس میں پیش نظر یہ تھا کہ طویل سورتوں کو جن کا نماز کی ایک رکعت میں پڑھنا مشکل ہے' اس طرح کے حصوں میں تقسیم کر دیا جائے کہ ایک حصّہ ایک رکعت میں بآسانی پڑھا جا سکے۔ اس طرح طویل سورتیں رکوعوں میں منقسم ہو گئیں۔ آخری پارے کی اکثر سورتیں صرف ایک ایک رکوع پر مشتمل ہیں' اس لئے کہ ان کو ایک رکعت میں بآسانی پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد پیچھے کی طرف آیئے تو ذرا طویل سورتیں ہیں جو دو دو رکوعوں کی سورتیں ہیں۔ پھر مزید طویل سورتیں ہیں جو تین تین اور چار چار رکوعوں پر مشتمل ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن حکیم کی طویل ترین سورۃ' سورۃ البقرۃ ہے جو چالیس رکوعوں پر مشتمل ہے۔ یہ تقسیم جس نے بھی کی ہے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس نے مضامین کا لحاظ رکھا ہے۔ عام طور پر رکوع کا اختتام ایسے ہی موقع پر کیا گیا ہے کہ جہاں ایک مضمون مکمل ہو جائے اور سلسلۂ کلام ٹوٹنے نہ پائے۔ بہرحال پاروں اور رکوعوں کی یہ تقسیم دورِ صحابہؓ میں موجود نہیں تھی' یہ بعد کے زمانے سے متعلق ہے۔

سورتوں کی ایک نئی گروپ بندی

البتہ قرآن حکیم کی سورتوں کی ایک گروپنگ (Grouping) اور بھی ہے جس کی جانب ماضی قریب ہی میں بعض محققین کی نگاہ گئی ہے۔ انہوں نے قرآن حکیم میں اس حقیقت کا مشاہدہ کیا کہ مکی اور مدنی سورتوں کو کچھ اس طرح آپس میں جوڑا گیا ہے' اکٹھا کیا گیا ہے کہ اس سے سات گروپ وجود میں آ گئے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قرآن حکیم کی سورتوں کے ہر گروپ کا آغاز ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے ہوتا ہے اور اس کا اختتام ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر ہوتا ہے۔ اور اس طرح مکی اور مدنی سورتیں مل کر ایک گروپ کو مکمل کرتی ہیں۔ ایک گروپ کے مکمل ہونے پر آپ دیکھیں گے کہ دوسرا گروپ شروع ہو گا' پھر آغاز میں مکّیات آئیں گی اور ان کے بعد پھر مدنیات۔ اور اس طرح دوسرا گروپ مکمل ہو جائے گا۔ پھر تیسرے گروپ کا آغاز بھی ایک یا ایک سے زائد مکّی سورتوں سے ہو گا جن کے بعد پھر مدنی سورتیں آئیں گی اور گروپ مکمل ہو جائے گا۔ اس طرح مکی اور مدنی سورتوں کے بھی سات ہی گروپ سامنے آتے ہیں۔ ان میں سے ہر گروپ کا ایک مرکزی مضمون ہے جو اس گروپ میں شامل مکی اور مدنی سورتوں میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ ہر گروپ کا ایک مرکزی خیال یا ایک عمود (Central Axis) ہوتا ہے جس کے ساتھ اس گروپ کی تمام مکّی اور مدنی سورتیں مربوط ہوتی ہیں۔

اس طریقے سے قرآن مجید کی سورتوں کے جو سات گروپ وجود میں آئے ہیں ان میں سے پہلے گروپ میں مکی سورۃ صرف ایک ہے' یعنی سورۃ الفاتحہ' جبکہ اس گروپ میں چار انتہائی طویل مدنی سورتیں شامل ہیں' یعنی البقرۃ' آل عمران' النساء اور المائدۃ۔ دوسرا گروپ اس اعتبار سے متوازن ہے کہ اس میں دو سورتیں مکی اور دو ہی مدنی سورتیں شامل ہیں۔ سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف مکی ہیں اور سورۃ الانفال اور سورۃ التوبۃ مدنی ہیں۔ تیسرے گروپ کی مکّیات کا سلسلہ بہت طویل ہے جو گیارہویں پارے میں سورۂ یونس سے شروع ہو کر اٹھارہویں پارے تک چلا گیا ہے۔ اس کے بعد ایک مدنی سورۃ آتی ہے' یعنی سورۃ النور' اور اس پر گروپ مکمل ہو جاتا ہے۔ پھر مکّیات کا سلسلہ

سورۃ الفرقان سے شروع ہو کر بائیسویں پارے تک چلا گیا ہے جس کے بعد سورۃ الاحزاب مدنی سورۃ ہے جس پر چوتھا گروپ مکمل ہوتا ہے۔ اس طرح سے مکیات اور مدنیات پر مشتمل قرآن حکیم کی سورتوں کے سات گروپ وجود میں آتے ہیں کہ جن میں ایک معنوی تقسیم بھی نظر آتی ہے کہ ہر گروپ کا اپنا ایک مرکزی مضمون ہے جس کی تکمیل اس گروپ میں شامل مکی اور اور مدنی سورتیں مل کر کرتی ہیں۔

مدنی سورتوں کا سب سے بڑا گلدستہ

اب آیئے اس اصل موضوع کی طرف جس کے ضمن میں یہ ساری بات زیر بحث آئی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس پہلو سے قرآن حکیم کی سورتوں کا جو چھٹا گروپ بنتا ہے اس میں سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ شامل ہیں۔ یہ گروپ بعض اعتبارات سے ایک خصوصی شان کا حامل ہے۔ اس کے آغاز میں سورۂ ق سے سورۃ الواقعہ تک سات مکی سورتیں ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے جانتے ہیں کہ آہنگ (Rhythm) اور روانی کے اعتبار سے قرآن حکیم میں ان سورتوں کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ ان سب کا مرکزی مضمون ہے آخرت اور اسی پر مختلف پہلوؤں سے ان سورتوں میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ انہی میں سورۃ الرحمٰن بھی شامل ہے جسے "عروس القرآن" کہا گیا ہے۔ الفاظ کا حسن اور تراکیب اور بندشوں کی بے مثل خوبصورتی اور اچھوتا پن ان سورتوں کا امتیازی اور مشترک وصف ہے۔

ان سات مکی سورتوں کے بعد اس گروپ میں دس مدنی سورتیں شامل ہیں۔ بلحاظِ تعداد مدنی سورتوں کا یہ سب سے بڑا اور خوبصورت اکٹھ (Constellation) ہے جس کی کوئی اور نظیر قرآن حکیم میں موجود نہیں۔ ویسے حجم کے اعتبار سے پہلے گروپ میں جو چار مدنی سورتیں یعنی البقرۃ، آل عمران، النساء اور المائدۃ شامل ہیں، وہ بہت طویل ہیں۔ لیکن بہرحال سورتوں کی تعداد وہاں چار ہی ہے، جبکہ یہاں دس مدنی سورتیں مسلسل وارد ہوئی ہیں۔ ستائیسویں پارے کی سورۃ الحدید سے ان کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اٹھائیسویں پارے کی آخری سورۃ، سورۃ التحریم پر ختم ہوتا ہے۔

زیرِ نظر مدنی سورتوں کے مشترک اوصاف

ان سورتوں میں کچھ چیزیں قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور چونکہ مطالعۂ قرآن حکیم کے اس منتخب نصاب میں مکمل سورتوں کی سب سے بڑی تعداد اسی گروپ سے ہے لہٰذا اس نصاب کے مضامین کی تفہیم کے لئے اس گروپ میں شامل سورتوں کے مشترک امور کو سمجھ لینا مفید ہو گا۔ اس سے پہلے اس گروپ کی دو سورتیں ہم پڑھ چکے ہیں۔ منتخب نصاب کے حصّہ دوم میں' جو مباحث ایمان پر مشتمل ہے' ہم نے سورۃ التغابن کا مطالعہ کیا تھا جو اس گروپ میں شامل ہے۔ اسی طرح حصّہ سوم میں اعمالِ صالحہ کی تفصیل کے ضمن میں عائلی زندگی اور اس سے متعلق اہم ہدایات پر مشتمل سورۃ التحریم کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں جو اس گروپ کی آخری سورۃ ہے۔ اب اس مرحلہ پر اسی گروپ کی دو مزید سورتوں یعنی سورۃ الجمعہ اور سورۃ الصف کا مطالعہ ہم کرنے والے ہیں۔ مزید برآں ہمارے اس منتخب نصاب کے آخری حصے میں ہمیں سورۃ الحدید کا مطالعہ کرنا ہے جس سے اس گروپ کی مدنی سورتوں کا آغاز ہوتا ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر ان سورتوں کے بارے میں بعض بنیادی باتیں ذہن نشین کر لی جائیں تاکہ ہر مرحلے پر ان کے تکرار و اعادہ کی ضرورت نہ رہے۔

تمام خطاب اُمّتِ مُسلمہ سے ہے!

پہلی چیز جو ان دس سورتوں میں قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے' یہ ہے کہ تقریباً ان سب کا زمانہ نزول مدنی دور کا نصفِ آخر ہے۔ یہ وہ دور ہے جب مسلمانوں کا معاشرہ باقاعدہ وجود میں آ چکا تھا اور مسلمانوں کو غلبہ اور اقتدار بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو چکا تھا۔ گویا مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ ان سورتوں میں خطاب کُل کا کُل مسلمانوں سے ہے' بحیثیتِ اُمّتِ مسلمہ۔ ان میں یہود و نصاریٰ سے یا مشرکینِ مکّہ سے خطاب آپ کو نہیں ملے گا' نہ بطرزِ دعوت و تبلیغ نہ بطورِ ملامت و زجر و توبیخ! خطاب کُل کا کل امّتِ مسلمہ سے ہے' اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کا اگر کہیں حوالہ آیا بھی ہے تو محض نشانِ عبرت کے طور پر۔ ان میں بھی نصاریٰ کی طرف

Referenceان سورتوں میں محض دو مقامات پر ہے' جبکہ اکثر سورتوں میں یہود کو بطورِ نشانِ عبرت پیش کیا گیا ہے کہ اے مسلمانو! جس مقام پر آج تم فائز کئے جا رہے ہو اس مقام پر اس سے پہلے بنی اسرائیل فائز تھے۔ تم سے پہلے کتابِ الٰہی کے حامل وہ تھے' انہیں توراۃ عطا کی گئی تھی جس میں ہدایت بھی تھی اور قانون و شریعت بھی' تم سے پہلے وہ قوم اللہ کی نمائندہ امت تھی جسے اڑھائی ہزار برس تک یہ مقامِ بلند حاصل رہا' لیکن جب انہوں نے اللہ کی کتاب اور اس کے دین کے ساتھ غداری کی تو وہ اللہ کے غضب کا نشانہ بنے اور انہیں اس مقام سے معزول کر دیا گیا۔ اس سابقہ امت میں کن کن راستوں سے گمراہیاں آئیں' کس کس پہلو سے ان میں اخلاقی' اعتقادی یا عملی اضمحلال پیدا ہوا' اس کو اپنے سامنے بطورِ نشانِ عبرت رکھو! اس لئے کہ امتوں کی تاریخ ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس حقیقت کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں : ((لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ مَا اَتٰی عَلٰی بَنِی اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ)) "میری امت پر بھی وہ تمام حالات وارد ہوں گے جو اس سے پہلے بنی اسرائیل پر آئے ہیں' بالکل ایسے جیسے کہ ایک جوتا دوسرے جوتے سے مشابہ ہوتا ہے"۔ دونوں اُمتوں کے حالات میں مشابہت کے بیان میں اس سے زیادہ بلیغ تمثیل ممکن نہیں۔ آپ نے اس معاملے کو اس کی انتہا تک پہنچانے کے لئے یہ مثال بھی دی کہ اگر وہ (یعنی بنی اسرائیل) گوہ کے بل میں گھسے تھے تو تم بھی ضرور گھسو گے' اور اگر ان میں سے کوئی بدبخت اور شقی ایسا پیدا ہوا کہ اس نے اپنی ماں سے بدکاری کی ہو تو تم میں سے بھی کوئی ایسا بدبخت پیدا ہو کر رہے گا۔ تو ان سورتوں میں درحقیقت اُمّتِ مسلمہ کے سامنے بطورِ نشانِ عبرت یہود اور نصاریٰ کے حالات بار بار لائے گئے۔ اور اس طرح مسلمانوں کو پیشگی متنبہ کیا جا رہا ہے کہ دیکھنا کہیں تم ان گمراہیوں کا شکار نہ ہو جانا!

اہم مضامین کے جامع خلاصے

تیسری قدرِ مشترک ان سورتوں میں یہ ہے کہ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے وہ اہم مضامین اور مباحث جو طویل مکی اور مدنی سورتوں میں بہت تفصیل سے آئے

ہیں' ان کے گویا چھوٹے چھوٹے خلاصے نکال کر اس مقام پر جمع کر دیئے گئے ہیں۔ ایمان کے مباحث مکّی سورتوں میں بڑی لمبی بحثوں کی صورت میں پھیلے ہوئے ہیں۔ توحید' معاد اور آخرت کے مباحث اور ان کے لئے دلائل' پھر ان پر وارد شدہ اعتراضات کے جوابات طویل سورتوں میں بڑی تفصیل سے زیر بحث آئے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ایمان اور اس کے ثمرات و لوازم کے بیان میں اٹھارہ آیات پر مشتمل سورۃ التغابن انتہائی جامع سورۃ ہے۔ کوئی جاننا چاہے کہ ایمان کیا ہے' اس کے لوازم کیا ہیں' اس کے نتائج اور مضمرات کیا ہیں اور اس کے فکری و عملی تقاضے کیا ہیں تو سورۃ التغابن اس کے لئے کفایت کرے گی۔

اسی طرح نفاق کا مضمون طویل مدنی سورتوں میں (یعنی سورۃ النساء' سورۂ آل عمران اور سورۃ التوبہ میں) بڑے طویل مباحث پر پھیلا ہوا ملے گا کہ نفاق کسے کہتے ہیں' اس کی حقیقت کیا ہے' اس کا نقطہ آغاز کون سا ہے' اس مرض کی علامات کیا ہیں' اس کی ہلاکت خیزی کا عالم کیا ہے' اس سے بچاؤ کی تدابیر کیا ہیں' اگر اس کی چھوت لگ جائے تو اس کا علاج کیا ہے' یہ تمام امور ان سورتوں میں بڑی تفصیل سے زیر بحث آئے ہیں۔ لیکن ان تمام مضامین کا ایک جامع خلاصہ اور لُبِّ لباب ہمیں سورۃ المنافقون کی شکل میں عطا کر دیا گیا جو کل گیارہ آیات پر مشتمل ہے اور اسی مجموعے میں شامل ہے۔

اسی طرح عائلی زندگی سے متعلق یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن حکیم میں سب سے زیادہ مفصل ہدایات اسی شعبۂ زندگی کے بارے میں دی گئی ہیں۔ گھر کا ادارہ انسان کی اجتماعی زندگی کی پہلی منزل ہے۔ اس ادارے کو کن خطوط پر استوار کیا جائے' بیویوں اور اولاد کے معاملے میں معتدل اور متوازن طرزِ عمل کون سا ہے' اگر طلاق کی نوبت آ جائے تو کن باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہو گا' ان موضوعات پر دو دو رکوعوں پر مشتمل دو انتہائی جامع سورتیں (سورۃ الطلاق اور سورۃ التحریم) بھی اسی گلدستے میں شامل ہیں۔

اس طرح یہ دس سورتیں گویا مختلف اعتبارات سے قرآن حکیم میں طویل بحثوں میں پھیلے ہوئے اہم مباحث کے خلاصوں کی حیثیت رکھتی ہیں جن کو ایک مقام پر یکجا کر دیا گیا ہے۔ اور یہی درحقیقت سبب ہے اس کا کہ ان دس سورتوں میں سے چھ ہمارے اس

منتخب نصاب میں شامل ہیں' یعنی سورۃ الحدید' سورۃ الصّف' سورۃ الجمعہ' سورۃ المنافقون' سورۃ التغابن اور سورۃ التحریم۔

سرزنش اور ملامت کا اسلوب

ایک اور قدرِ مشترک یا وصف مشترک ان سورتوں میں یہ نظر آتا ہے کہ امت مسلمہ سے خطاب میں بالعموم کچھ ملامت کا سا اور جھنجھوڑنے کا سا انداز جھلکتا نظر آتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے امت کے بعض طبقات کے جذباتِ ایمانی اور جوشِ جہاد میں کچھ کمی واقع ہو گئی تھی' ان کا جذبۂ انفاق کچھ سرد پڑ رہا تھا اور اب انہیں جھنجھوڑا جا رہا ہے' کچھ سرزنش کے انداز میں بھی اور کہیں کہیں ملامت اور زجر کے انداز میں۔ یہ انداز ان تمام سورتوں میں مشترک ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں دورانِ مطالعہ ہمارے سامنے آئیں گی۔ سورۃ الصف میں فرمایا گیا : ﴿ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ "اے مسلمانو! کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔" ﴿ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ "یہ چیز اللہ کے غضب کو بھڑکانے والی ہے کہ تم کہو جو کرتے نہیں ہو" ـــــ اسی طرح سورۃ الجمعہ میں ڈانٹ کے سے انداز میں تنبیہہ کی گئی ہے کہ اے نبی' یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ کھڑے خطبہ دے رہے تھے اور مسلمان آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ کیا خطبے اور نمازِ جمعہ کے مقابلے میں کاروبارِ دنیوی انہیں زیادہ عزیز ہو گیا ہے!! سورۃ الحدید میں یہی انداز ہے : ﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ﴾ "کیا اہلِ ایمان کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد میں اور جو کچھ نازل ہوا ہے اللہ کی طرف سے اس کے سامنے"۔ سورۃ التحریم میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ ایک معاملے میں ازواجِ مطہرات کو سرزنش کی گئی ہے اور کم از کم ظاہر الفاظ کے اعتبار سے اس میں بڑی سختی موجود ہے۔ تو ان سورتوں میں یہ انداز بتکرار ملتا ہے۔

اس پیرایۂ بیان کا اصل سبب

اس ضمن میں یہ بات سمجھ لیجئے کہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دَور تو وہ تھا جب کوئی شخص جان اور مال کی بازی کھیل کر ہی کلمۂ شہادت زبان پر لاتا تھا۔ مکّی دَور میں یہی کیفیت تھی

ہر شخص جانتا تھا کہ کلمۂ شہادت کے زبان پر جاری ہوتے ہی ہر چہار طرف سے مخالفت کا طوفان اُمڈ پڑے گا' مصائب اور تکالیف کا سامنا ہو گا۔ ہو سکتا ہے اس کشمکش میں گھر بار سے تعلق توڑنا پڑے اور تمام پرانے تعلقات اور دوستیوں کو خیرباد کہنا پڑے۔ لہٰذا کلمۂ شہادت زبان پر لانے کا فیصلہ کوئی شخص اسی وقت کرتا تھا جبکہ ایمان اس کے دل میں پورے طور پر جاگزیں اور راسخ ہو چکا ہوتا۔ لیکن یہ صورتِ حال تدریجاً بدل گئی۔ بالخصوص مدنی دَور کے آخری زمانے کا خیال کیجئے۔ حضور ﷺ کو فیصلہ کن اقتدار حاصل ہے' مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو گیا ہے اور اب وہ ایک حکمران طاقت کی حیثیت رکھتے ہیں' چنانچہ اب زبان سے کلمۂ شہادت ادا کرنا نہ صرف آسان ہو گیا ہے بلکہ یہ کلمہ اب انسان کے جان و مال کے تحفظ کا ضامن بھی ہے۔ لہٰذا اب صورت حال وہ ہو گئی جس کا نقشہ سورۃ النصر میں بایں الفاظ کھینچا گیا ہے : ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ ﴾ تو یہ لوگ جو فوج در فوج اور جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہو رہے تھے' ظاہر بات ہے کہ ان کے ایمان کی کیفیت وہ نہیں تھی جو سابقون الاولون کے ایمان کی تھی۔ یہ بات اس سے پہلے سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ میں آ چکی ہے۔ ایسے ہی لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا گیا تھا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہم ایمان لے آئے' بس یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا۔ ﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾

اب ظاہر بات ہے جب ایک کثیر تعداد میں ایسے لوگ امت میں شامل ہو گئے تو امت میں بحیثیتِ مجموعی جذباتِ ایمانی' جوشِ جہاد اور جذبۂ انفاق کا اوسط کم ہو گیا۔ یہ وہ اضمحلال ہے جس پر اسی وقت گرفت کی گئی۔ اس میں درحقیقت بعد کے ادوار کے لئے' جبکہ امت میں بحیثیتِ مجموعی اضمحلال اور زوال پوری شدت کے ساتھ ظاہر ہونے والا تھا' پیشگی رہنمائی کا سامان موجود ہے۔ اور اس طرح آئندہ کے ادوار میں یہ سورتیں مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی کو للکارنے اور ان کے جوشِ جہاد اور جذبۂ انفاق کو از سرِ نو تازہ کرنے میں مہمیز کا کام دیں گی۔ ان کی تلاوت سے مسلمانوں میں یہ شعور پیدا ہو گا کہ وہ اپنا جائزہ لیں' اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور اگر ایمان کے اضمحلال کی متذکرہ بالا

کیفیات انہیں اپنے باطن میں محسوس ہوں تو اس ضعف و اضمحلال کو دُور کرنے پر کمربستہ ہو جائیں۔

ہمارے لئے ان سورتوں کی خصوصی اہمیت

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اس دَور میں کہ جس میں ہم سانس لے رہے ہیں' امت مسلمہ زوال و انحطاط کی انتہاؤں کو چھو رہی ہے۔ مولانا حالیؔ نے ان دو اشعار میں جو انہوں نے اپنی مسدّس کی پیشانی پر درج کئے ہیں' اس کا بڑا دردناک نقشہ کھینچا تھا :

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مدّ ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے!

اس دَور میں واقعہ یہ ہے کہ اگر ان سورتوں پر امت کی توجہات کو مرتکز کر دیا جائے' ان کا فہم عام کر دیا جائے تو یہ مسلمانوں کے جذبۂ ایمان کی از سرنو باریابی اور ان کے اندر جوشِ جہاد اور جذبۂ انفاق پیدا کرنے میں ان شاء اللہ العزیز انتہائی مفید اور ممّد ثابت ہوں گی۔

المُسَبِّحات

آخری بات ان سورتوں کے بارے میں یہ نوٹ کر لیجئے کہ ان دس سورتوں میں سے پانچ وہ ہیں کہ جن کا آغاز "سَبَّحَ لِلّٰہِ" یا "یُسَبِّحُ لِلّٰہِ" کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس دس کے گل دستے میں یہ پانچ سورتیں ایک اضافی اور نرالی شان کی حامل ہیں۔ ان سورتوں کو مجموعی طور پر "المُسَبِّحات" کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی وہ سورتیں جن کا آغاز تسبیح باری تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ ان میں سے تین وہ ہیں کہ جن میں آغاز میں "سَبَّحَ لِلّٰہِ" کے الفاظ وارد ہوئے۔ یعنی تسبیح کا ذکر فعل ماضی کی شکل میں کیا گیا ہے' جبکہ دو سورتوں کا آغاز ہوتا ہے "یُسَبِّحُ لِلّٰہِ" کے الفاظ سے۔ یہاں فعل مضارع لایا گیا ہے جو حال اور مستقبل دونوں کو محیط ہے۔ اس معاملے میں بھی ایک عجیب توازن نظر آتا ہے کہ

سورۃ الحشر کی آخری آیت میں بھی یہ لفظ "یُسَبِّحُ" شامل ہے۔ اس طرح گویا تین مرتبہ "سَبَّحَ" اور تین ہی مرتبہ "یُسَبِّحُ" کے الفاظ ان سورتوں میں وارد ہوئے ہیں۔ دورانِ مطالعہ آپ محسوس کریں گے کہ اُمّتِ مسلمہ کو جھنجوڑنے، مسلمانوں کو ان کے فرائضِ دینی سے آگاہ کرنے اور بالخصوص انہیں آمادۂ عمل کرنے میں ان مسبّحات کی تاثیر دوسری سورتوں سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ ان پانچ "مسبّحات" میں سے چار اس منتخب نصاب میں شامل ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی سورت سورۃ الحدید ہے۔ وہ یوں سمجھئے کہ ہمارے اس منتخب نصاب کا نقطۂ عروج ہوگی۔ گویا اس کا نقطۂ آغاز اگر سورۃ العصر ہے تو اس کی چوٹی (Climax) سورۃ الحدید ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ شجرِ ہدایت کا بیج اگر سورۃ العصر ہے تو اس کا پھل ہے سورۃ الحدید، جس پر ہمارا یہ منتخب نصاب ان شاء اللہ تکمیل پذیر ہوگا۔ یہ چند باتیں اگر ذہن نشین کرلی جائیں تو امید ہے کہ قرآن مجید سے ایک عمومی تعارف میں بھی مدد و معاون ہوں گی اور خاص طور پر ان سورتوں کی اہمیت کو سمجھنے میں ان سے مدد ملے گی۔ ان شاء اللہ

(جاری ہے)

کل پاکستان حفاظ قرآن نونہالان اسلام کا

مقابلہ حفظ قرآن

برنامج تحفیظ قرآن کریم انٹرنیشنل اسلامک ریلیف آرگنائزیشن (رابطہ عالم اسلامی) سعودی عرب

کل پاکستان نونہالان اسلام مقابلہ حفظ قرآن کا اہتمام کررہا ہے جس میں درج ذیل شرائط کے حامل حفاظ کرام شرکت کر سکتے ہیں۔

شرائط شرکت

۱۔ بچہ / بچی حافظ قرآن ہو۔ ۲۔ عمر دس سال تک ہو۔

۳۔ مہتمم مدرسہ / اپنے استاد / سکول پرنسپل سے حفظ و عمر کی تصدیق اور تین عدد فوٹوز کے ساتھ درخواست دیں۔

۴۔ مدارس اپنے کم عمر حفاظ کے لیے مدرسہ کی طرف سے درخواست دے سکتے ہیں۔

انعامات

۱۔ کامیاب طلبہ کے لیے عمرے کے ٹکٹ اور سعودی عرب میں مقدس مقامات کی زیارت کا انتظام، نیز نقد انعامات۔

۲۔ کامیاب طلبہ کے مدرسین کے لئے بھی نقد انعامات ۳۔ قرآن پاک کے کیسٹ ۴۔ دیگر قیمتی انعامات

نوٹ: درخواست دینے کی آخری تاریخ 20 جون 2000ء

پہلے مرحلہ میں مختلف مقامات پر ذیلی مقابلے ہوں گے۔ آخری مقابلہ اسلام آباد میں 8 اگست کو ہوگا۔

مقابلہ میں شرکاء کے لئے آمد و رفت، قیام و طعام بذمہ ادارہ ہوگا۔

رابطہ و معلومات

مطیع الرحمٰن (نگران) برنامج تحفیظ قرآن کریم۔ پاکستان

پوسٹ بکس 1850 اسلام آباد پاکستان Tel :435113-4; Fax :449247

عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (۳)

تحریر : پروفیسر عبدالماجد، مانسہرہ

۷ مذہبی رواداری اور تعلیماتِ نبویؐ

اسلام کے خلاف مغرب کے بے جا پروپیگنڈے اور خوف کے بیان کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی اسلام کی تعلیمات پیش کر دی جائیں جو دوسرے مذاہب اور اس کے ماننے والوں کو برداشت کرنے کے حوالے سے ہیں۔

معاشرے میں فتنہ و فساد اور بگاڑ و انتشار کی ایک بڑی وجہ تنگ نظری اور تعصب ہے جبکہ حضور ﷺ نے جو تعلیمات دی ہیں وہ مذہبی تعصب اور تنگ نظری کو ختم کر کے معاشرے کی تشکیل رواداری کے اصولوں پر کرتی ہیں۔ چونکہ حضور اکرم ﷺ اقوامِ عالم کے لئے رحمت بن کر آئے تھے اور اسلام بھی تمام قوموں کے لئے رحمت ہے اس لئے مذہب کے حوالے سے حضور ﷺ کی تعلیمات بڑی وسعت پر مبنی ہیں۔ آپؐ سے قبل دین کے باب میں قطعاً آزادی نہ تھی، بلکہ مذہب تبدیل کرنے کے لئے بڑی سختی برتی جاتی تھی۔ علامہ فرید وجدی نے لکھا ہے :

> "مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرنے میں بے رحمی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جو لوگ انکار کرتے تھے وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے حوالے کئے جاتے، پھاڑنے والے حیوانات کے آگے ڈالے جاتے تھے یا ان کی دونوں ٹانگیں دو گھوڑوں کے پاؤں میں باندھ کر ان کو مختلف سمتوں میں چھوڑ دیتے تھے، تانبہ پگھلا کر ان پر ڈالتے تھے یا ان کو ہلکی آگ پر کئی روز تک جلایا جاتا، یہاں تک کہ ان کے بدن کی چربی پگھل پگھل کر بہہ جاتی"۔ (۱۷)

جبکہ اسلام کی مذہبی رواداری کا ذکر گوبینو (Gobineau) نے ان الفاظ میں کیا ہے :

> "اگر ہم مذہبی اصولوں سے سیاسی ضروریات کو الگ کر دیں جنہوں نے مذہب

کے نام پر زبان اور ہاتھ سے کام لیا تو کوئی مذہب اسلام کی مثل رواداراور صلح کل نہیں ملے گا' جس نے دوسروں کو اس قدر مذہبی آزادی دی ہو' بلکہ ان کے دین و ایمان سے کوئی سروکار نہ رکھا ہو . . . . رواداری مسلمانوں کی طبیعت کا ایک محکم خاصہ اور مکمل مذہبی آزادی ان کے مذہب کا دستور العمل رہا ہے"۔ (۷۲)

اسلام دنیا کا واحد دین ہے جس نے آکر اعلان کیا کہ مذہب کے معاملے میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں ﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ﴾ (البقرۃ : ۲۵۶) کیونکہ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ اس لئے جو چاہے اسے قبول کرے اور جو چاہے انکار کرے ﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ (الکھف : ۲۹) اسلام نے دیگر مذاہب کے ساتھ پُرامن بقائے باہمی کا رشتہ قائم کرنے کے لئے اہل کتاب کو آگے بڑھنے کی دعوت یوں دی : ﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾ (آل عمران : ۶۴) "اے اہلِ کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان مشترک ہو (اور ہم امن کے ساتھ باہم مل جل کر رہیں)"۔ بنیادی تعلیم کے ساتھ مذہب کی مختلف شکلوں میں رواداری برتنے کا حکم دیا ﴿ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ ﴾ (الحج : ۶۷) "ہر اُمّت کے لئے ہم نے عبادت کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے جس پر وہ چلتی ہے' سو اس معاملے میں لوگ آپ سے جھگڑا نہ کریں"۔ ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً... ﴾ (المائدۃ : ۴۸) "ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور راہ عمل مقرر کیا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا"۔

دوسرے مذہب کے پیشواؤں اور بزرگوں کو برا کہنے سے منع کیا گیا (الانعام : ۱۰۸) اور دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو یہاں تک کہہ دیا کہ "اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی' ہمارے اعمال ہمارے ساتھ اور ہم ان پر جواب دہ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ اور تم خود ان پر جواب دہ ہو۔ ہمارا تم سے کوئی جھگڑا نہیں اور تمہارا ہمارے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں' اللہ تمہیں اور ہمیں اکٹھا کرے گا۔" (الشوریٰ : ۱۵)

"تمہارے لئے تمہارا دین اور ہمارے لئے ہمارا دین ہے"۔(الکافرون : ۶)

ان تمام آیات سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ سابقہ شریعتیں اصلی شکل میں موجود ہیں یا اب بھی قابلِ عمل ہیں' بلکہ ان آیات میں یہ بتایا جارہا ہے کہ آپ راہ راست پر ہیں' آپ (مع مسلمانوں کے) اپنی شریعت کا اتّباع کرتے ہوئے دوسروں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کریں' دوسرے مذاہب کو برداشت کریں۔ تاہم اسلام دنیا میں باطل کا اقتدار ہرگز گوارا نہیں کرتا' بلکہ دنیا سے باطل کا ظلم و جور پر مبنی نظام ختم کرکے اہل عالم کو عدل و قسط پر مبنی نظام عطا کرتا ہے۔ نظام کی تبدیلی کے بعد بھی جو لوگ اپنے مذاہب پر قائم رہنا چاہیں انہیں اس کی آزادی ہے۔ ان کو اسلام کی طرف دعوت دی جائے گی' اس سے آگے بڑھ کران کو زبردستی اسلام میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ کئی آیات میں رسول اللہ ﷺ کو صاف حکم دیا گیا : ﴿ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ﴾ (الشوریٰ : ۴۸) "آپ کا فرض صرف پیغام پہنچا دینا ہے"۔ ﴿ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴾ (الشوریٰ : ۶) "آپ ان پر کارساز نہیں" ﴿ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ﴾ (ق : ۴۵) "آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں"۔ ﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○ ﴾ (الغاشیہ : ۲۱' ۲۲) "آپ صرف ان کو نصیحت کرنے والے ہیں' ان پر داروغہ نہیں" (کہ زور سے ان کو ہدایت دیں)۔ ﴿ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (یونس : ۹۹) "کیا اے پیغمبرؐ آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں"۔

اسلامی ریاست میں دوسرے مذاہب' ان کے مذہبی پیشواؤں اور عبادت خانوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔

لَا يُهْدَمُ لَهُمْ بِيْعَةٌ وَلَا يُمْنَعُوْنَ مِنْ ضَرْبِ النَّوَاقِيْسِ اِلَّا فِيْ اَوْقَاتِ الصَّلٰوةِ وَلَا مِنْ اِخْرَاجِ الصُّلْبَانِ فِيْ يَوْمِ عِيْدِهِمْ (۷۳)

یعنی "یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانے نہ گرائے جائیں' یہ لوگ ناقوس بجانے سے نہ روکے جائیں' البتہ نماز کے اوقات مستثنیٰ رہیں گے' اور اپنی عید کے دن صلیب نکالنے سے نہ روکے جائیں"۔ مزید برآں کسی پادری کو اس کے موقف سے' کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے' کسی کاہن کو اس کی کہانت سے نہ ہٹایا جائے اور کسی پر

کسی قسم کی سختی نہ کی جائے۔ (۷۴) ۱۷۱ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ حکومت میں منہدم شدہ گرجوں کی تعمیر اس وقت کے سرکردہ علماء لیث بن سعد اور عبداللہ ابن لہیعہ وغیرہ کے مشورے سے ہوئی۔ (۷۵) ابو عبیدہ نے کئی ملکوں کے تذکرے کے بعد لکھا ہے کہ ان کے باشندے اپنے اپنے مذہب اور شریعتوں پر باقی رکھے گئے تھے۔ فقہ اسلامی میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں کے خنزیر یا شراب کو ضائع کردے تو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی (۷۶)۔ حالانکہ یہ دونوں چیزیں اسلام میں حرام ہیں۔

ہر مذہب کے ماننے والوں کو پرسنل لاء اور کلچر میں آزادی دی گئی ہے۔ هُمْ اَحْرَارٌ فِیْ شَهَادَاتِهِمْ وَمَنَاكِحَاتِهِمْ وَمَوَارِيْثِهِمْ وَجَمِيْعِ اَحْكَامِهِمْ (۷۷)۔ یعنی یہ لوگ اپنی شہادت کے احکام، نکاح کے معاملات، وراثت کے قوانین اور دوسرے تمام پرسنل لاء میں آزاد ہوں گے۔ وَلَا يَحَالُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ شَرَائِعِهِمْ ان کے اور ان کی شریعتوں کے درمیان حائل نہ بنا جائے (۷۸) اور ان کے دین میں کسی قسم کی زبردستی نہ کی جائے۔ (۷۹)

شام کی فتح کے پندرہ سال بعد حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک پادری نے اپنے دوست کے نام ایک خط میں لکھا "یہ طائی (عرب) جنہیں خدا نے آج کل حکومت عطا فرمائی ہے اور وہ ہمارے مالک بن بیٹھے ہیں لیکن وہ عیسائی مذہب سے بالکل برسرپیکار نہیں، بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں"۔ (۸۰)

ان تمام تصریحات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب کو جس قدر آزادی اور سہولتیں دی ہیں اور جس حد تک برداشت کیا ہے اس کا عشر عشیر بھی اس وقت کی کہلائی جانے والی مہذب قوموں کو حاصل نہیں۔

۸ تعلیماتِ صبر و برداشت —— غیر مسلموں کے بارے میں

اسلام کی تعلیماتِ صبر و برداشت کا نتیجہ تھا کہ عباسیہ اور دیگر مسلمان حکمرانوں کے عہد میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ پُرامن طریقہ سے مل جل کر رہے اور کبھی بھی مذہبی

اور تہذیبی ٹکراؤ کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن اِس وقت امریکہ اور دیگر مغربی اقوام کی غلط پالیسیوں اور اسلامی ممالک میں ان کی بے جا مداخلت کی وجہ سے بعض جگہوں پر مسلمان ردِّعمل کا شکار ہو کر مختلف قسم کی تخریبی سرگرمیوں کے مرتکب ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے مغربی میڈیا اور مفکرین (مغرب) بے جا طور پر انہیں دہشت گرد اور انتہا پسند قرار دیتے ہیں، حالانکہ ان تمام تخریبی کارروائیوں کے اصل ذمہ دار خود امریکہ اور اس کے حواری ہیں (جس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا) یہاں صرف یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام مسلمانوں کو ممکن حد تک عدل و انصاف کا دامن مضبوطی سے تھامنے کا حکم کرتا ہے اور کسی قوم کی دشمنی میں بھی اُس پر ظلم اور ناانصافی کی ہر شکل کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ امریکہ اور دیگر یورپی ممالک اگر اسلامی ممالک میں مظالم ڈھاتے ہیں تو تمام اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ اجتماعی طور پر انہیں ایسا کرنے سے روکیں۔ لیکن اسلام کسی فرد یا گروہ کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کی جان و مال اور ان کے سفارت خانوں یا معابد کو نقصان پہنچائے۔ کیونکہ فقہ کی اصطلاح میں ایسے تمام لوگ (۸۱) مستامن کہلاتے ہیں اور ان کی حفاظت ضروری ہے جو پاسپورٹ یا ویزا لے کر کسی دینی یا دنیاوی مقصد کے لئے عارضی طور پر اسلامی ممالک میں قیام پذیر ہوں ایسے اشخاص کی جان و مال اور عزت و آبرو مسلمانوں کے لئے ایک امانت ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔ اب یہی شخص مستقل طور پر رہنے کا فیصلہ کر لے تو اس کی حیثیت ذمی کی ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے مستامن اور ذمی کے حقوق کی بڑی تاکید کی ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں میں سے کسی کو قتل کر ڈالے تو ثبوت کے بعد قصاص میں اس مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔ اور اس طرح معاہد (مستامن یا ذمی) کے قتل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بڑے سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ فرمایا :

((مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيْحَهَا لَيُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ عَامًا)) (۸۲)

"جس نے کسی غیر مسلم معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہو گا، حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے بھی محسوس ہو گی"۔

دوسری روایت میں ہے کہ : "جس نے کسی معاہد پر ظلم کیا' یا اس کے حقوق میں کمی کی' یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر دباؤ ڈالا یا اس کی مرضی کے خلاف اس سے کوئی چیز لی تو قیامت کے دن میں خود اس کے خلاف مستغیث بنوں گا"۔ (۸۳)

اسی طرح وہ مسلمان جو دوسرے اسلامی یا غیر اسلامی ممالک میں تجارت یا سفارت یا دوسری اغراض سے عارضی طور پر جائے وہ بھی معاہد ہے۔ اور جس طرح وہ اسلامی ملک میں تمام اسلامی حدود و قوانین کا پابند رہے گا اسی طرح سے باہر بھی پابند رہے گا۔ اور وہ نہ تو کسی شہری کی عزّت و آبرو اور جان سے کھیل سکتا ہے اور نہ ہی اس ملک یا اس کے شہریوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی دھوکہ دہی سے کوئی مال حاصل کر سکتا ہے۔

اصول یہ ہے :

اَلْمُسْلِمُ مُلْتَزِمٌ بِاَحْكَامِ الْاِسْلَامِ حَيْثُ مَا كَانَ (۸۴)

"مسلمان جہاں بھی رہے گا اسے اسلامی احکام کا پابند رہنا ہو گا"۔

اور

((حُرِمَ تَعَرُّضُهُ بِشَيْءٍ مِنْ دَمِهِ وَ مَالِهِ)) (۸۵)

"اور اس کے اوپر کسی کے مال اور جان پر تعرض حرام ہے"۔

اور حضور ﷺ نے ایک مؤمن کی پہچان یہ بتائی :

((اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ)) (۸۶)

"مؤمن وہ ہے جس سے لوگ اپنے جان و مال کے بارے میں مامون اور بے خوف ہوں"۔

تمام علماء غیر مسلموں کے بارے میں متفقہ طور پر لکھتے ہیں :

وَيَجِبُ كَفُّ الْاَذٰى وَ تَحْرِيْمُ غِيْبَتِهٖ كَالْمُسْلِمِ (۸۷)

"مسلمان کی طرح غیر مسلم کو تکلیف سے بچانا واجب ہے۔ اور اس کی غیبت اسی طرح حرام ہے جس طرح مسلمان کی غیبت"۔

یہ ہیں وہ تعلیمات جو رحمۃٌ لِلعالمین حضرت محمد ﷺ نے انسانیت کو عطا فرمائیں' جن پر عمل پیرا ہو کر تمام انسان مذہب و مسلک کے اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کو

برداشت کر کے ایک کنبہ کی حیثیت اختیار کر سکتے تھے اور یہ دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتی تھی۔ لیکن ناس ہو مغربی تہذیب کا جس نے اگرچہ انسانوں کو بے انتہا سہولتوں سے بہرہ مند کیا لیکن اس نے خدائے واحد پر ایمان و یقین کو چھین کر انسان کے ذہن کو محدود کر دیا۔ اور یوں وہ صرف اپنی قوم اور اپنے ملک کے فائدے کے لئے تو سوچتا رہا لیکن اس کی سوچ عالمی نہ بن سکی۔

اس محدود سوچ کے نتیجے میں اس نے ایسا نظام وضع کیا جس نے انسان کی سوچ میں آفاقیت کی بجائے محدودیت اور وسیع النظری کی بجائے تنگ نظری پیدا کی۔ اور یوں انسان ایک دفعہ پھر ﴿ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ ﴾ کے مصداق آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گیا۔

اس بات کا اعتراف تمام عقلاء بالخصوص غیر متعصب عقلائے مغرب نے کیا ہے، مثلاً برناڈ شا، کارلائل، گبن، ہیٹی اور ڈریپر وغیرہ ——— یہ اعتراف اس بات کا ثبوت ہے کہ واقعی بے خدا مغربی نظام انسان کو تباہ کر ڈالے گا اگر اس کی جگہ متبادل اسلامی نظام حیات کو نہ لایا گیا۔

آیئے ذرا تفصیل میں جا کر دیکھتے ہیں کہ اس وقت لادینی نظام نے کس طرح انسانیت کو تباہی و بربادی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے اور اس سے نجات کس طرح ممکن ہے۔

۹ بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت اور تشدّد کی وجوہات اور ان کا حل

عالمی سطح پر سرد جنگ کے خاتمے اور امریکہ کے دنیا کی واحد سپریم پاور بننے کے بعد اس کے مفکرین نے دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اب دنیا کے لئے صرف مغربی لادینی سرمایہ دارانہ جمہوری نظام (Western Secular Capitalistic Democratic System) ہی بہترین نظام ہے۔ اسے فرانسس فوکویاما[۸۸] نے "The End of History" (تاریخ کے اختتام) کا نام دیا۔ لیکن دوسری طرف جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام امریکہ اور دیگر یورپی ممالک میں تیزی سے پھیل رہا ہے اور اسلامی ممالک میں نفاذِ اسلام کی تحریکیں زور پکڑ رہی ہیں تب انہیں اسلام سے خطرہ

محسوس ہوا اور مغربی دانش وروں نے ایک نیا شوشہ چھوڑا کہ مغربی تہذیب کو سوشلزم وغیرہ سے تو خطرہ نہیں رہا، لیکن ایک ایسی تہذیب ہے جو مستقبل میں اس کے لئے خطرہ ثابت ہو سکتی ہے اور وہ اسلامی تہذیب ہے۔

اس خیال کو سیموئیل پی ہنٹنگٹن نے "Clash of Civilizations"[۸۹] کا نام دیا۔ اور اسی طرح کے خطرے کا اظہار دیگر کئی مغربی دانش وروں نے کیا ہے۔ پیٹرک بوشانن (Patric Buchanen) نے کہا :

"For a millenium, the struggle for mankind's destiny was between Christianity and Islam, in the 21st century it may be so again"[۹۰]

یہی صاحب دوسری جگہ خطرے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :

"The muslim threat is global in nature as muslims in Europe, Soviet Union and America proliferate and prosper"[۹۱]

ایک اور عیسائی دانشور یوں کہتا ہے :

"Islam has become a new threat to the peace and progress of the world"[۹۲]

فنانشیل ٹائم کے ایک مقالہ نگار نے "Will Islam Bury Us" کے عنوان سے اسلام سے اپنے خطرے کا اظہار کیا ہے[۹۳]۔ مغربی دانشور "اسلامی خطرے" کا اظہار مختلف جگہوں پر تشدد اور عدم برداشت کے اِکا دُکا واقعات کی وجہ سے کرتے ہیں (جن کا بعض مسلمان ارتکاب کرتے ہیں)۔ اور چند واقعات کی وجہ سے وہ سارے عالم اسلام کو بین الاقوامی خطرہ کہہ دیتے ہیں۔ اور بقول پروفیسر ایسپوسائٹو (Esposito)

"The selective analysis fails to tell the whole story, to provide full contexts of muslim attitudes, events and actions, or fails to account for the diversity of muslim practice. While it sheds some light, it is a partial light that obscures or distorts the full picture"[۹۴]

آگے وہ کہتا ہے کہ عالمِ اسلام کے بارے میں اس قسم کا عموم ہمارے علم کی بجائے ہماری جہالت میں اضافہ کرتا ہے :

"Selective and therefore biased analysis adds to our ignorance rather than our knowledge, narrows our perception rather than broadening our understanding" (۹۵)

حالانکہ اسلام یا اسلامی تہذیب ان کے لئے خطرہ نہیں' بلکہ ان کا اپنا دیا ہوا غلط استحصالی نظام مستقبل کے لئے خطرہ ہے' جس کی وجہ سے اس وقت بھی پوری دنیا معاشی بدحالی اور اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہے' جو کہ لازمی طور پر بدامنی اور فساد فی الارض کا باعث ہے۔ جس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

(۱) مغربی سرمایہ دارانہ استحصالی نظام کی بدولت اس وقت دنیا میں ایک ارب تیس کروڑ افراد ایسے ہیں جن کو روزانہ ایک ڈالر سے کم میں گزارا کرنا پڑتا ہے اور روزانہ 35000 افراد غذا کی کمی اور قابل علاج بیماریوں کے ہاتھوں دم توڑ دیتے ہیں۔ (۹۶)

اقوامِ متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت بیس فی صد امیر ترین افراد دنیا کی اسّی فی صد دولت' تجارت' سرمایہ کاری اور بچتوں پر قابض ہیں' جبکہ غریب ترین افراد صرف ایک فی صد تجارت' سرمایہ کاری اور بچتوں کے حامل ہیں۔ (۹۷)

(۲) وجہ یہ ہے کہ مغرب نے دنیا کے تمام ممالک بشمول اسلامی ممالک میں بے جا مداخلت کر کے ان کے معاشی اور معدنی وسائل پر قبضہ کیا ہے اور عالمی اقتصادی پالیسیوں کو آئی۔ ایم۔ ایف (I.M.F.)' ورلڈ بینک اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے ذریعے اپنے کنٹرول میں لیا اور عرب ممالک کے تیل اور دولت پر ناجائز قبضہ کیا۔

(۳) کویت اور سعودی عرب کی حفاظت کے نام پر اپنے ہزاروں فوجیوں کو عرب کی سرزمین پر رہنے کا جواز فراہم کیا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل کا ناسور پیدا کر کے مسلمانوں کے لئے ایک مستقل خطرہ کھڑا کر دیا اور پھر اپنے دوہرے معیار کے تحت اسرائیل وغیرہ کے لئے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور اقوامِ متحدہ کی قرار دادوں کے علی الرغم مراعات جاری رکھیں (۹۸)' جبکہ اسلامی ممالک میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے نام پر مداخلت کی اور ظالمانہ پابندیاں لگا کر اپنے خلاف نفرت اور غصے کے جذبات پیدا کئے۔ امریکہ کے عراق اور افغانستان پر حملوں نے

جلتی پر تیل کا کام کیا اور اپنے خلاف رائے عامہ کو مزید ہموار کیا۔

(۴) مغربی میڈیا اور اس کے دانشوروں نے مسلمانوں کو اشتعال انگیز ناموں (بنیاد پرست (Fundamentalist)' دہشت گرد (Terrorist)' جنونی (Fanatic)' انتہاپسند (Extremist) وغیرہ سے یاد کر کے اپنے خلاف مسلمانوں کے غُصّے کی لہر میں مزید اضافہ کیا۔ (۹۹)

(۵) اسی طرح امریکی کانگریس نے "مذہبی مواخذے سے آزادی" کے نام سے ایک بل منظور کر کے امریکی صدر کو دیگر ممالک میں بے جا مداخلت کا جواز فراہم کرنے کی کوشش کی۔ نتیجتاً ۷۷ ممالک میں مذہبی آزادی کی نگرانی اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے نام پر مداخلت شروع کر دی (۱۰۰)' (جبکہ خود امریکہ میں انسانی حقوق کا حال تمام دنیا سے بدتر ہے (۱۰۱)۔ اور جرائم کی شرح تمام ممالک سے زیادہ ہے (۱۰۲)۔ ان تمام بے انصافیوں اور غلط پالیسیوں کی وجہ سے اگر غریب اقوام اور مسلمانوں کے اندر مغرب کے خلاف غصے اور نفرت کے جذبات پیدا ہوں اور عدم برداشت کا شکار ہو کر چند انتہائی اقدامات کے مرتکب ہوں تو ذمہ دار مغرب کا استحصالی نظام ہے نہ کہ غریب اقوام اور مسلمان۔ (اگرچہ اسلام ردعمل کی صورت میں بھی بے گناہ انسانوں کے قتل عام کی اجازت نہیں دیتا) (۱۰۳)

(۶) عدم برداشت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مغرب نے پہلے خود آسمانی ہدایت اور مذہبی اقدار و روایات سے انحراف کیا' پھر تمام انسانی معاشرے کو ان حدود و قیود سے آزادی کے پُرفریب نعرے کی آڑ میں انتشار اور فساد سے ہم کنار کیا اور جدید مواصلاتی سہولتوں سے اپنا اباحیت پسند کلچر دوسری اقوام پر مسلط کرنے کی کوشش کی۔ اور جب مسلمانوں کی طرف سے اس مغربی کلچر کے خلاف آواز اٹھی تو اسے مغرب نے رجعت اور قدامت پسندی کا نام دیا۔

مغرب کی مذکورہ بالا تمام غلط پالیسوں اور ہوسِ اقتدار کی بڑھتی ہوئی خواہش (Urge to dominate) اور میڈیا کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز ناموں اور پروپیگنڈے کے باوجود اگر اسلام مغربی ممالک میں دن بدن پھیل رہا ہے تو

اس سے خائف ہو کر کبھی اسے "Islamic Threat" کہتا اور کبھی "Clash of Civilizations" کا نام دینا کسی طرح درست نہیں' کیونکہ تہذیبی کشمکش اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کی وجہ سے نہیں' بلکہ دنیا کے وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کا نتیجہ ہے۔ جیسے ایک مغربی مفکر لکھتا ہے :

"Clash of civilizations is not so much over Jesus Christ, Confucious or Prophet Muhammad as it is over the unequal distribution of world power, wealth and influence"(۱۰۴)

اس وقت عدم برداشت اور فساد فی الارض کا اصل ذمہ دار آسمانی ہدایت سے محروم مغربی نظام ہے جسے مغرب نے غلطی سے بہترین نظام کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی اور اسے (The end of History) کا نام دے کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اب اس سے بہتر کوئی اور نظام دنیا کو نہیں دیا جا سکتا۔ حالانکہ یہ تاریخ کا اختتام نہیں' بلکہ تاریخ کے جدید آغاز کا وقت ہے(۱۰۵)۔ اور یہ اس وقت کی سب سے بڑی پکار ہے کہ عالمی وسائل' خزانہ اور دولت منصفانہ طور پر تقسیم ہوں' تاکہ پوری دنیا میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔ اگر یہ تقسیم پُرامن طریقے سے نہ ہوئی تو پھر ایک بہت بڑے تصادم کے بعد ہوگی جیسا کہ "Global sharing of power" کا مقالہ نگار رقم طراز ہے :

"The challenge of our time is wether a redistribution of power, which is a sine qua non (essential condition) of a stable world order can be based on some overriding principles and brought through peaceful means. If not, it will take place through a series of social, economic convulsion and politico-military conflicts."(۱۰۶)

ان تمام حقائق کی روشنی میں ضرورت اس امر کی ہے کہ امریکہ اور دیگر مغربی اقوام اسلام کے امن و سلامتی والے نظام کو خطرہ تصور کرنے کی بجائے سمجھنے کی کوشش کریں اور دنیا میں جو فساد' انتشار اور بدامنی ہے اس کی اصل تہہ تک پہنچ کر اسے دور

کرنے کی کوشش کریں۔ اور جیسے اسلام نے اپنے ہزار سالہ دور اقتدار میں تمام مذاہب کو برداشت کیا' اسی طرح آج مغرب کو اسلام اور دیگر مذاہب اور تہذیبوں کو برداشت کرنے کی ضرورت ہے۔ (۱۰۷)

لیکن یہ بات بظاہر مغرب سے بعید نظر آتی ہے۔ اس لئے آج اُمّتِ مسلمہ کو اپنی صفوں کے اندر اتحاد و اتفاق پیدا کر کے اپنے فرضِ منصبی کو پورا کرتے ہوئے دلائل و براہین سے تمام دنیا کو اسلام کی طرف دعوت دینے کی ضرورت ہے اور اسلام کے حوالے سے مغرب کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات کا رد بھی ضروری ہے۔ مواصلاتی انقلاب اور دیگر جدید سہولتوں نے تمام دنیا کو ایک بستی (Global village) کی شکل دے کر دعوت کے اس کام کو مزید آسان بنا دیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان ایمان و تقویٰ اور صبر و برداشت کی صفات سے آراستہ ہو کر تمام دنیا کے سامنے عملی طور پر اسلام کو پیش کریں۔ قائداعظم محمد علی جناح کے الفاظ میں :

> "ہمیں دنیا کے سامنے ایک ایسا نظام پیش کرنا چاہئے جو انسانی مساوات اور عدل عمرانی کے اسلامی تصورات پر مبنی ہو۔ صرف یہی وہ طریق ہے جس سے ہم اس فریضہ سے عہدہ برآ ہو سکیں گے جو ہم پر مسلمان ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتا ہے اور ہم دنیا کو وہ پیغام دے سکیں گے جو اسے تباہیوں سے بچالے گا اور نوع انسانی کی بہبود و مسرت اور خوشحالی کا ضامن ہو سکے گا۔ یہ کام کسی اور نظام سے نہیں ہو سکتا"۔ (۱۰۸)

تمت بالخیر

حواشی و حوالہ جات

(۷۱) المدینہ والاسلام بحوالہ انعام یافتہ مضامین۔ وزارت مذہبی امور ۱۹۸۷ء' ص ۴۱

(۷۲) پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ۔ دعوت اسلام' محکمہ اوقاف پنجاب' لاہور ۱۹۷۲ء' ص ۳۹۸

(۷۳) کتاب الخراج' امام ابو یوسف' ص ۱۴۳۔ بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل' مولانا تقی امینی' ص ۳۳۵

(۷۴) ایضاً

(۷۵) ایضاً

(۷۶) ردالمحتار' ج ۳' ص ۲۷۳۔ بحوالہ اسلامی ریاست میں ذمیوں کے حقوق۔ مولانا مودودی' ص ۱۶

(۷۷) الاموال' ص ۱۴۰۔ بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۳۳۶

(۷۸) طبری۔ بحوالہ مذکورہ' ص ۳۳۷

(۷۹) ایضاً۔ حضور ﷺ کے دور میں کئی ایسے واقعات ہوئے جو اسلام کے دوسرے مذاہب کو برداشت کرنے کے واضح ثبوت ہیں۔ نجران کے عیسائیوں کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے بعد مسجد نبوی میں اپنے طریقے سے نماز ادا کرنا (ای صلوا صلاتھم) اور اس سے زیادہ برداشت اور رواداری کا کیا ثبوت ہوگا کہ آپؐ نے ثقیف کے بت پرست مشرکوں کے وفد کو مدینہ میں مسجد نبوی کے ایک گوشے میں خیمہ لگا کر ٹھہرایا' حالانکہ خیمہ کے لئے مدینہ میں جگہ کم نہ تھی۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ ناپاک ہیں۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا: ((لَیْسَ عَلَی الْاَرْضِ مِنْ نَجَاسَتِھِمْ شَیْءٌ)) ان واقعات کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مناظر احسن گیلانی کی کتاب "مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ" ص ۱۰۰۔ ۱۰۳۔ ادارہ اسلامیات' لاہور۔

ان واقعات کے بعد سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں "ہم اندازہ نہیں کر سکتے کہ ٹوٹی ہوئی انسانیت کو اس کے آخری جوڑنے والے نے جوڑنے میں اپنی سرگرمیوں کو کہاں تک پہنچادیا۔ انسانیت کے سب سے بڑے بہی خواہ ایسے ہی ہو سکتے ہیں"۔

(۸۰) عہد نبوی کا نظام حکمرانی۔ بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۳۳۷

(۸۱) مجیب اللہ ندوی۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات' ص ۱۲۰

(۸۲) الحدیث' تفسیر ابن کثیر' ج ۲' ص ۱۹۳ ومن قتل معاھدا.... فقد اخفر بذمة اللّٰہ فلا یرح رائحة الجنة....ابن ماجة

(۸۳) ابوداؤد' کتاب الجہاد' بحوالہ الجہاد فی الاسلام' مولانا مودودی۔ ادارہ ترجمان القرآن لاہور' ص ۲۷۶

(۸۴) سرخسی' ج ۱۰' ص ۶۵ حوالہ نمبر ۸۱

(۸۵) ایضاً (سورۃ الممتحنة کی آیت نمبر ۸ سے بھی کفار کے ساتھ تعلقات کی حدود کا پتہ چلتا ہے۔) ملاحظہ ہو معارف القرآن' ج ۲' ص ۵۰' ۵۱

(۸۶) سنن الترمذی' ابواب الایمان' باب ۱۲ و سنن النسائی' باب صفة المؤمن۔

(۸۷) بحوالہ الجہاد فی الاسلام' ص ۲۸۹

(۸۸) فرانسس فوکویاما (Francis Fukuyama) جاپانی نژاد امریکی مؤرخ نے ۱۹۸۹ء میں امریکی جریدے The National Interest میں "The End of History" کے عنوان سے اپنا مقالہ تحریر کیا جس میں یہ دعویٰ کیا کہ بنی نوع انسان کا نظریاتی ارتقاء پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے اور اس لئے اب انسانی تاریخ بھی اپنے اتمام کو پہنچ چکی ہے۔ فوکویاما کے اپنے الفاظ میں: "ہمارے مشاہدے میں جو کچھ آ رہا ہے وہ محض سرد جنگ کا خاتمہ یا تاریخ کے کسی خاص دور کی رفت گزشت نہیں' بلکہ انسانی تاریخ کا اختتام ہے' یعنی انسان کے نظریاتی ارتقاء کا نقطۂ آخریں اور انسانی طرزِ حکومت کی آخری شکل کے طور پر مغربی جمہوریت کی جہانگیری" بحوالہ نکس کی کتاب "ورائے امن" ۱۹۹۴ء۔

اس مقالہ کی اہمیت کے پیش نظر جان ۔ ٹی ۔ روڈ نے اسے ۱۹۹۱ء میں اپنی کتاب "Taking Sides" کے مجموعہ مضامین میں شامل کر لیا جس سے اس مقالے کا بہت چرچا ہوا۔ چنانچہ مصنف نے ۱۹۹۲ء میں اس مقالہ کو ایک کتاب کی صورت میں "The End of History and the Last Man" کے نام سے شائع کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کتاب پر اب تک مختلف زبانوں میں ایک ہزار کے لگ بھگ مقالات شائع ہو چکے ہیں۔

ماخوذ از ماہنامہ میثاق ۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء از مضمون چوہدری مظفر حسین (اکیڈمک اینڈ ایڈمنسٹریٹو ڈائریکٹر آل پاکستان ایجوکیشن کانگریس)

(۸۹) "Clash of Civilizations" تہذیبوں کا ٹکراؤ و تصادم۔ امریکی سیاسی مبصر اور مشیر "Samoel P. Huntington" نے ۱۹۹۳ء میں لکھا۔ جس پر دنیا میں بہت زیادہ بحث و تمحیص ہو رہی ہے۔ اس کے نزدیک اب دنیا میں قوموں اور ملکوں کا نہیں بلکہ تہذیبوں کا ٹکراؤ ہوگا۔ اس نے لکھا ہے کہ اس وقت دنیا میں آٹھ تہذیبیں موجود ہیں۔ ایک ہماری مغربی تہذیب اور سات دوسری۔ ان میں سے پانچ کو تو ہم آسانی سے اپنے اندر سمو سکتے ہیں اور انہیں ہضم کر سکتے ہیں' لیکن دو تہذیبیں ایسی ہیں کہ وہ ہمارے لئے لوہے کے چنے ثابت ہوں گی۔ ایک مسلم تہذیب اور دوسری کنفیوشس تہذیب' جس کی نمائندگی اس وقت چین کر رہا ہے۔ لہٰذا اس نے مغرب کو دو مشورے دیئے جن پر عمل پیرا ہو کر ان دونوں تہذیبوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے' ایک یہ کہ چین کو اسلامی ملکوں کے قریب نہ آنے دیا جائے' اور دوسرا مشورہ اس نے یہ دیا کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو ہوا دی جائے (جیسے کراچی میں فساد اور دیگر مسلکی لڑائی اور شیعہ سنی تصادم)' اس لئے اگر ہم مغربی تہذیب کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو آپس کے اختلافات کو ختم کرنا ہوگا اور اتحاد و یک جہتی کا مظاہرہ

کرنا ہوگا۔

(۹۰) *Esposito, John, L; The Islamic Threat, Myth or Reality, Oxford University Press; Newyork, Oxford, 1992, P.175 (Mr. Esposito is Professor of Religion and International Affairs, Georgetown University, and Director of the Centre for Muslim - Christian Understanding.*

(۹۱) *Ibid.* ایضاً

(۹۲) *Walker, Alan; Address in "Islam and the challenges of the contemporary world" by Prof. Dr. Saeedullah Qazi, Sheikh Zayed Islamic Centre, University of Peshawar, 1995, P. 191*

(۹۳) ملاحظہ ہو ہفت روزہ "ندا" ایڈیٹر اقتدار احمد - ۱۲ افغانی روڈ، سمن آباد، لاہور - ۳۱ جولائی ۱۹۹۰ء۔ اسی مضمون کے شروع میں لکھا ہے :

Muslim fundamentalism may will about to replace Russia Communism as the real threat to western stability"

(۹۴) ملاحظہ ہو حوالہ نمبر ۹۰، ص ۱۷۳

(۹۵) ایضاً۔

(۹۶) ماہنامہ العصر نے ایمنسٹی انٹرنیشنل کے حوالہ سے یہ رپورٹ دی ہے۔ ایڈیٹر مفتی غلام الرحمٰن صاحب۔ جامعہ عثمانیہ، نوتھیہ روڈ، پشاور، جولائی / اگست ۱۹۹۸ء

(۹۷) اصل رپورٹ ملاحظہ ہو :

The richest 20 percent of human kind has control over 87.7 percent of world GDP, 84.2 percent of world trade, 85.5 percent of world domestic savings and 85.0 percent of world domestic ivestment. As against this, the poorest 20 percent of human kind controls merely 1.4 percent of owrld GDP, 0.9 percent of world trade, 0.9 percent of world saving and world investment. (UNDP'S Human development Report ,1994 in Press Review, P.51, Feb. 1996, Vol.III.

(۹۸) *Esposito: The Islamic Threat, Myth or Reality, p.196 "It is indeed hypocritical for the U.S. to come to the aid of Kuwait while it remains silent about Israel's invasion and occupation of the West Bank, Gaza strip, Gofan Height,*

Lebanon . . . . . Israel is receiving $ 4 billion a year from the U.S.

(۹۹) *Ibid*

The American Government does not equate the actions of Jewish or christian extremist leaders or groups with Judaism or christianity as a whole.

لیکن چند واقعات کی وجہ سے وہ سارے اسلام کو بدنام کرنے کے لئے برے نام دے دیتے ہیں جیسے

Criminal Culture Monolithic, Violent, aggressive religion

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اکبر ایس احمد کی کتاب *Living Islam, p.236* اور حوالہ نمبر ۹۲ کا صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳ (انقلابِ طالبان کے بعد مغرب کیلئے مزید خطرہ پیدا ہو چکا ہے)

(۱۰۰) ملاحظہ ہو : سہ ماہی الشریعہ ایڈیٹر مولانا زاہد الراشدی۔ مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ اکتوبر ۱۹۹۸ء ص ۴۷

(۱۰۱) ملاحظہ ہو : حواشی حوالہ نمبر ۱۲، ۱۳

(۱۰۲) ملاحظہ ہو : مقالات سیرت ۱۹۹۵ء، پیش کردہ وزارت مذہبی امور، اسلام آباد۔ ص ۶۴، ۶۵

(۱۰۳) (خصوصاً کسی جگہ) بم دھماکوں کی تو کسی صورت میں گنجائش نہیں ملتی کیونکہ اس طرح جہاں ایک طرف کسی ملک یا قوم کے مخصوص افراد جنہیں ٹارگٹ کیا جا رہا ہے وہ مرتے ہیں تو دوسری طرف کئی بے گناہ افراد اور بچے اور عورتیں بھی نشانہ بنتی ہیں جو کہ کسی صورت میں جائز نہیں۔ لیکن مغربی میڈیا کی یہ بات بھی بالکل غلط ہے کہ جو واقعہ بھی ہو اس کے لئے مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرایا جائے کیونکہ دہشت گردی اور تخریب کاری کے کئی واقعات کے پیچھے غیر ملکی ایجنسیوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔

(۱۰۴) *Satish Kumar : "Global Sharing of Power" in Press Review Defence and Media Publications, Rawalpindi, Feb. 1996, p.52*

(۱۰۵) *Sakakibara : The end of progressivism, A search for new goals "During the Cold war, two versions of progressivisism suppressed the most important process of history, interaction of accommodation between diverse civilizations. After some 50 years, the normal process of history has started to move again. What we are witnessing is not the end*

of history but a fresh start." p.30 (Press Review)

(۱۰۶) دیکھئے حوالہ نمبر ۱۰۴ کا ص ۵۰

(۱۰۷) دوسروں کو برداشت کئے بغیر یہ دنیا امن و امان سے ہم کنار نہیں ہو سکتی کیونکہ

"A universal society can only function if individual societies accept adequate standards of tolerance" Gohsalves Essay on "Changing world = New centres of Power" Press Review Feb. 96, p.47

اسی طرح "Ruch" کے الفاظ میں

"A tolerance for legitimate differences must be achieved if conflicts between nations are to be avoided. Fortunately, man is not committed by biological nature to make war. Psychologists believe that he can learn to make peace (Psychology and Life by F.L. Ruch. p.682

ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ امن و امان قائم کرنے کے لئے صبر و برداشت پر عمل پیرا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ اور وہ اُسی ربّ العالمین کی تعلیمات سے ممکن ہے جو تمام انسانوں کو "دارالسلام" کی طرف بلاتا ہے۔ واللّٰہ یدعوا الی دار السلام "اللہ تمام انسانوں کو سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔" اس پکار پر لبیک کہنا آج صرف مسلمانوں کا فرض نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لئے ضروری ہے (کیونکہ وہ سب کا رب ہے)۔ اگر وہ اس کرۂ ارض کو تباہی و بربادی سے بچانا چاہتے ہیں تو انہیں اللہ ربّ العالمین کی پکار پر لبیک کہنا ہوگا۔

(۱۰۸) سٹیٹ بینک کی افتتاحی تقریب سے خطاب۔ جولائی ۱۹۴۸ء

ماخوذ از ماہنامہ "تعمیر انسانیت"۔ ۴۰ نسبت روڈ لاہور' دسمبر ۱۹۸۹ء' ص ۳

انتساب : حضور اکرم ﷺ کی ان تعلیمات کے نام جنہوں نے کئی بار میرے ہارتے ہوئے حوصلے کو صبر و برداشت کا سبق سکھایا اور یوں بڑی صبر آزما محنت کے بعد یہ مقالہ مکمل ہوا۔ اللّٰھم تقبل منی

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

امام ابو بکر بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ

—— عبدالرشید عراقی ——

امام ابو بکر بن ابی شیبہ کا شمار نامور محدثین کرام میں ہوتا ہے۔ ان کے حفظ و ضبط، عدالت و ثقاہت، ذکاوت و فطانت اور تمام علومِ اسلامیہ میں ان کے تبحرِ علمی کا اعتراف ان کے معاصرین علمائے فن اور اربابِ سیر نے کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے ان کو عدیم النظر، الامام، احد الاعلام اور حافظ ابنِ کثیر نے احد الاعلام و ائمۃ الاسلام اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے امامِ حدیث کے القاب سے یاد کیا ہے۔

امام ابو عبید قاسم فرماتے ہیں کہ علمِ حدیث چار آدمیوں پر تمام ہو گیا:

① ابو بکر بن ابی شیبہ، حسنِ ادا اور خوش سلیقی اور حفظِ مذاکرہ میں

② امام احمد بن حنبل، فقہ و معرفتِ حدیث میں

③ امام یحییٰ بن معین، جامعیت اور کثرتِ روایت میں

④ امام علی بن مدینی، حدیث کے مخارج و علل سے واقفیت میں

ولادت

امام ابو بکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ۱۵۹ھ میں واسط میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد اور دادا صاحب علم و فضل تھے۔ ان کے دادا ابی شیبہ منصور کے زمانہ میں ۲۳ سال تک واسط کے قاضی رہے، اور ان کے والد محمد بن ابی شیبہ بھی فارس کے قاضی رہے۔

اساتذہ و تلامذہ

امام ابو بکر بن ابی شیبہ کے اساتذہ و تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اور حافظ ابنِ حجر نے تہذیب التہذیب میں ان کے اساتذہ و تلامذہ کی فہرست نقل کی ہے۔ ان کے مشہور اساتذہ میں قاضی شریح، امام اسماعیل بن علیہ، امام عبدالرحمٰن بن مہدی، امام عبداللہ بن مبارک، امام وکیع بن الجراح اور امام یحییٰ بن سعید

قطان رحمۃ اللہ علیہ جیسے نامور محدثین شامل ہیں اور تلامذہ میں امام احمد بن حنبل، امام ابو زرعہ، امام ابو حاتم، بقی بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مصنفین صحاحِ ستہ امام بخاری، امام مسلم، امام ابنِ ماجہ اور امام نسائی وغیرہ شامل ہیں۔

رحلت و سفر

تحصیل حدیث کے لئے دوسرے اسلامی ممالک کا سفر کیا۔ بغداد میں ان کا قیام زیادہ رہا اور بغداد میں ان کے درس و تدریس کی تصریح بھی مؤرخین نے کی ہے۔

وفات

امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے ۷۴ سال کی عمر میں ۸ محرم الحرام ۲۳۵ھ کو وفات پائی۔

تصانیف

امام ابو بکر بن ابی شیبہ باکمال مصنف تھے۔ ابنِ ندیم نے الفہرست میں ان کی آٹھ کتابوں کا ذکر کیا ہے : (۱) کتابُ السنن فی الفقہ (۲) کتابُ التفسیر (۳) کتابُ التاریخ (۴) کتابُ الفتن (۵) کتاب صفین (۶) کتابُ الجمل (۷) کتابُ الفتوح (۸) کتابُ المسند۔

لیکن عام مؤرخین نے ان کی چار کتابوں کا ذکر کیا ہے :

(۱) کتابُ المسند (۲) کتابُ التفسیر (۳) کتابُ الاحکام (۴) مصنّف

مصنّف ابنِ ابی شیبہ کا مختصر تعارف

امام ابو بکر بن ابی شیبہ کی یہ سب سے زیادہ مشہور اور مقبول کتاب ہے۔ اس کی بدولت ان کو کافی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔

مصنف ابنِ ابی شیبہ کا شمار حدیث کی اہم کتابوں میں ہوتا ہے۔ امام صاحب نے اس کو فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا اور اس کی ابتداء کتابُ الطہارت سے کی ہے۔ علمائے اسلام نے اس کی بہت تعریف و توصیف کی ہے۔ حافظ ابنِ کثیر لکھتے ہیں :

"ابو بکر بن ابی شیبہ لاجواب اور عدیم المثال مصنّف کے مرتب ہیں۔ ان سے پہلے اور بعد کسی زمانہ میں ایسی لاجواب کتاب مرتب نہیں ہوئی"۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے طبقاتِ کتب حدیث میں اس کو تیسرے طبقہ میں شامل کیا ہے۔

مصنّف ابنِ ابی شیبہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اکثر روایات صحاحِ ستہ میں موجود ہیں۔ امام بخاری نے ۳۰ اور امام مسلم نے ۱۵۴۰ روایات کی تخریج کی ہے۔ سنن ابی داؤد اور سنن ابنِ ماجہ میں بکثرت احادیث اس سے لی گئی ہیں۔

علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ احکام و مسائل کا اس سے زیادہ جامع اور مستند مجموعہ اور کوئی نہیں ہے۔ اس میں وہی روایات درج کی گئی ہیں جن سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے۔

مصنّف ابنِ ابی شیبہ کے بعض اجزاء سب سے پہلے مولانا عبد التواب محدث ملتانی (م ۱۳۶۶ھ) نے شائع کئے تھے مگر اب مکمل شائع ہو چکی ہے۔

مصنف کے علاوہ امام ابو بکر بن ابی شیبہ کی جو کتابیں ہیں ان کے بارے میں علم نہیں کہ ان میں سے کوئی شائع ہوئی ہے یا نہیں۔

مراجع و مصادر

۱) ذہبی، تذکرۃ الحفاظ
۲) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ
۳) شاہ عبدالعزیز، بستان المحدثین
۴) تہذیب التہذیب، علامہ ابنِ حجر عسقلانی
۵) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد

بحمد اللہ، امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے دروس و تقاریر پر مشتمل

تیسری CD بعنوان **اسلام اور خواتین** تیار کر لی گئی ہے

جس میں اہم معاشرتی موضوعات کے بارے میں قرآن و سنت کی راہنمائی پر مشتمل 15 تقاریر شامل ہیں

تیار کردہ: شعبہ سمع و بصر، مرکزی انجمن خدام القرآن، 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور

- پاکستان کیوں بنا ـــــ کیسے بنا؟
- پاکستان کیوں ٹوٹا ـــــ کیسے ٹوٹا؟
- اب ٹوٹا تو . . . . . .

پاکستان کی تاریخ کا حقیقت پسندانہ تجزیہ

اندھیروں میں اُمید کی ایک کرن

لفظ لفظ میں ـــــ وطن کی محبت

سطر سطر میں ـــــ اِیمان کی چاشنی

عمل کا پیغام . . . . . .

ڈاکٹر اسرار احمد

کی تالیف

"استحکامِ پاکستان"

سفید کاغذ، عمدہ طباعت، دیدہ زیب سرورق، صفحات 175

قیمت -/60 روپے

اس کتاب کا مطالعہ خود بھی کیجئے اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کیجئے

شائع کردہ:

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور (فون: 03-5869501)